U3191   27-11-09

Title - Saat Roohon Ke Aimaal Naame

Creator - Rashid Al Khairi

Publisher - Ismat Book Agency (Delhi)

Date - Not Available

Pages - 44

Subject - Urdu Novel.

یادگار مصوّرِ غم حضرت علّامہ راشد الخیری علیہ الرّحمۃ

رسالہ عصمت دہلی
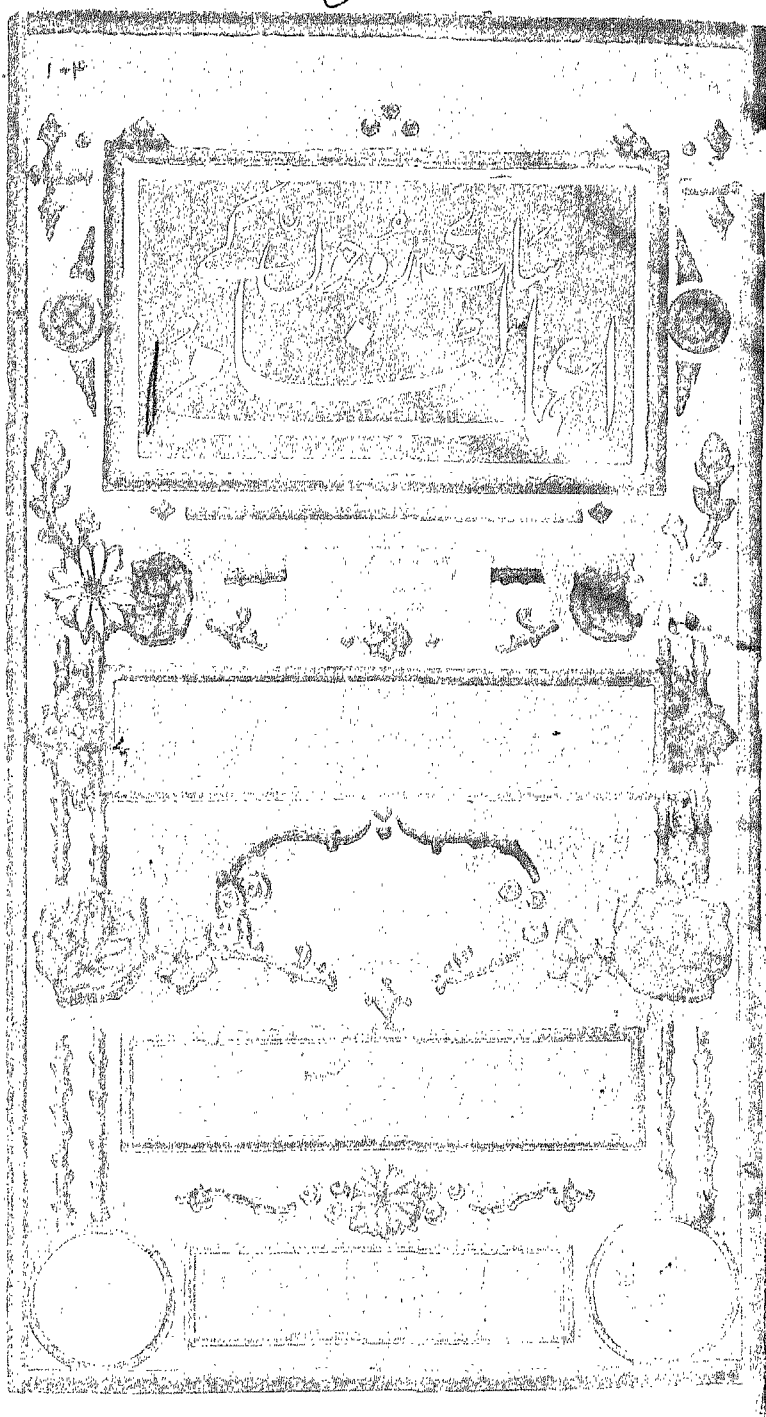
ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۴۰ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے۔ عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔

سالانہ چندہ چار روپے (للعہ)

رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۷ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے لئے جاری فرمایا تھا۔ اس سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع نہیں ہوا۔ عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں۔ مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے۔ زبان اتنی آسان کہ گیارہ برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔

سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ

نمونہ مفت

فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتونِ اکرم کی یادگار

جوہرِ نسواں دہلی

ہندوستان بھر میں زنانہ دستکاری کا واحد رسالہ ہے جس میں کشیدہ، کروشیا، جالی، تار کشی، کارچوب، کینو کراس اسٹچ، سلمہ ستارہ، ربن پٹی، کٹاؤ اور کپڑوں کی سلائی، کٹائی وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاری کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں شائع ہوتی ہیں۔ جوہرِ نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دیتے ہیں۔ جوہرِ نسواں کی قلمی معاونین ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں۔

سالانہ چندہ مع محصول عہ۲ فی پرچہ ۴ر

مینیجر عصمت و بنات دہلی

مطبوعہ ... محبوب المطابع ... دہلی

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U3191

ایک شیطان کی مغفرت

سات روحوں کے اعمالنامے

RE-ACCESSIONED
۳۱۵۱

(۱)

حصیرۃ اللیل یعنی وہ ایک خاص رات جس میں چند لمحہ کے واسطے رب الاثیر (اثیر کا پرورش کرنے والا مادہ جس پر خدائے دہر کا اطلاق ممکن ہے) خلائے آسمانی میں ظہور کرتا ہے، اجرام فلکی کے سرپرتھی، اور یہی ہے وہ رات جس کی ایک ساعت قانون قدرت کے قطعاً خلاف ہر سو سال کے بعد اپنی حرکت بند کرتی ہے۔ تحرک، کشش جذب، گردش ہر طاقت مفقود ہو کر محض اس مجموعہ کے تابع ہو جاتی ہو جس کا وجود اثیر میں ہے اور یہی وہ وقت ہو جو عقائد دہریہ میں خاتمہ دنیا یا قیامت کا باعث ہوگا۔ آسمانی دنیا پر سکون مطلق طاری تھا۔ تاروں کی جماعت جو اس وقت میلوں کے فاصلہ پر منتشر دکھائی دیتی ہے، صف بستہ و متصل خاموش و سرنگوں تھی۔ ہوا کا گزر مطلق نہ تھا۔ آبشار تھم چکے تھے پہاڑوں پر سناٹا تھا مگر چاند وہری فرشتوں کی زندگی کے لئے کچھ آکسیجن پہنچا رہا تھا۔ دفعتہً بغیر کسی رگڑ یا اتصال کے ایک شعلہ چمکا۔ کائنات لرز گئی۔ چاند تھرا گیا تاروں کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک گئے۔ پہاڑ گڑگڑا اٹھے۔ پانی میں تہلکہ مچ گیا۔

اور ایک متفقہ آواز بلند ہوئی۔

هوطم، ڈرولم، سرپوس ‏ ‏ ‏ ‏ پاک، بلند، پرورش کرنے والے

CHECKED-2002

یہی رب الاتیھر کا وجود تھا، جلال، قدرت اور تمکنت شاہنشاہی کو ظاہر کرنیوالے
دو قہقہے اس شعلہ سے نکلے اس اطمینان پر یہ تمام مخلوق جس کا خون خشک ہو رہا تھا
خوشی سے اُچھل پڑی اور سوائے ایک چاند کے جس کا نام مہرقان تھا سب سجدے
میں گر پڑے۔

ہولم، ڈرولم، ہیریوس

شعلہ کی حرارت تیز ہوئی، غضب ناک چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ قریب کا بڑا حصہ
جلکر خاک سیاہ ہوگیا، اور وہ تمام ذرات، جو مسرور وشاد کام تھے اس فوری تغیر
سے متاثر ہوکر دم بخود رہ گئے۔ غضب الٰہی لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہوا۔ چنگاریاں خوفناک
انگارے بن گئیں، اور ایک ایسی دہشت ناک آواز برآمد ہوئی کہ ہر ذرہ دہل گیا۔

کریبی، ہیکریو............................ نافرمان مہرقان

شعلہ فرو ہوگیا، مگر ملائکہ دہر کا داروغہ تند و تیز آنکھوں سے طیش میں بھرا مہرقان
کی طرف گیا۔ ایک زبردست جھٹکے میں اس کو اپنے سامنے گرا لیا اور حکم دیا۔
"ہمارے رب کے نافرمانی کرنے والے، کمینے رذیل و ذلیل مخلوق! اُٹھ اور اپنی غلطی
کی سزا بھگتنے کے واسطے رب الاتیھر کے حضور میں حاضر ہو"
مہرقان کی تمام قوتیں سلب کر لی گئیں، زبردست زنجیریں اس کے پاؤں میں
ڈال دیں اور ہر طرف سے اس پر نفرین و ملامت کے نعرے بلند ہونے لگے۔

زیرلو زیرلو زیرلو

لعنت لعنت لعنت

داروغہ اس مجسمہ ملعونہ کو دو انگلیوں میں لیکر فضائے آسمانی میں اُڑا۔ ایک مقام
پر جاکر جھٹکا اور کہا۔
"بہت ممکن ہے کہ تیری ہستی رب الاتیھر کی ایک ہی پھنکار سے خاکستر ہو جائے۔

اس لئے گو تو ہرگز ہرگز کسی ہمدردی و رحم کا مستحق نہیں۔ مگر اس لئے کہ تو بچہ ہے، میں تیری سفارش پر آمادہ ہوں۔ گناہ کا ارتکاب تجھ سے ہو چکا۔ اس سے انکار اور بالخصوص ایک جلیل القدر مالک کے سامنے، غلطی ہے۔ عفو قصور کی خواہش کر شاید سزا کی حد خفیف ہو جائے۔"

اتنا کہتے ہی داروغہ نے پھر صرقان کو پنجہ میں پکڑا، اور اُڑا کچھ دور جا کر وہ ایسی جگہ پہنچا، جہاں نور کے خوشنما پردے ہوا سے آہستہ آہستہ اُڑ رہے تھے اور ہر طرف دہری فرشتوں کی فوج ربُ الایتھر کے جلو میں حاضر تھی۔ صرقان کے پہنچتے ہی وہی متفقہ آواز اُٹھی۔

زہر لو زہر لو زہر لو

لعنت لعنت لعنت

یہاں فرش زمین کی بجائے رنگ برنگ پھولوں کا آسمان تھا۔ داروغہ اترا اور صرقان کو کھڑا کر کے کہا۔

"اس نافرمانی کا جو تجھ سے ربُ الایتھر کے حضور میں سرزد ہوئی تجھکو کیا بدلا ملنا چاہیئے۔ گو تو اپنے قصور پر نادم ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ سزا سے محفوظ رہے۔"

ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے آسمان کی زمین کو جو چمن عروس تھی معطر کر دیا اور ملائکہ دہری جو رب الایتھر کے رازوں سے واقف تھے نافرمان صرقان پر بہ آواز بلند نفرین کرنے لگے۔

کچھ دیر غور و تامل کے بعد صرقان نے اپنی آنکھیں جو غور و خوض میں مصروف نہیں بلند کیں، ہر طرف نگاہ دوڑائی، اور نہایت دلیری سے کہا۔

"یقیناً میں کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوں۔ میں نے بچپن میں ہمیشہ اپنی ماں سے، لڑکپن میں بارہا اپنے دوستوں سے، اور اب جوانی میں شب و روز اپنے ہم جنسوں سے

اس مخلوق کا مضحکہ بنا جو ہمارے رب الاثیتھر کو مافوق الفطرت طاقت سے ازلی و ابدی بادشاہ رب العالمین اور ان داتا خیال کرتی ہے۔ میں جس حال میں اُس کُل کا جو رب الاثیتھر سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک جُز ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کی پرستش کروں۔

"سولیمیو، سٹرکیو"

کرو جو کر سکتے ہو

"گنہگار، بدبخت، نمک حرام!

لے جاؤ سامنے سے غارت کرو .... پھینک دو۔"

(۲)

دوزخ کے ایک ادنیٰ طبقہ میں مرقان پابجولاں مقید ہے اور اس وقت کا منتظر ہے جب آفتاب برج ثور میں پہنچے کیونکہ یہی وقت اس کے فیصلہ کا مقرر ہوا ہے۔ اس کے ہم جنس دوسرے چاند اور چھوٹی قوم تارے، نیز ملائکہ دہری باوجود تنفر کے اس کی تکلیف سے متاثر ہیں۔ مگر اول تو کسی کو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے اتنی فرصت نہیں ہو کہ اس سے بات کرے۔ دوسرے پہاڑوں کے زبردست پہرے میں کس کی مجال تھی کہ پر مار سکتا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت جب قمر کلاں بساط دنیا پر اچھی طرح جگمگا رہا تھا، طبقہ دوزخ کے "سب پراکٹر" نے مرقان کو باہر نکالا اور یہ حکم سُنا دیا۔

"اس نافرمانی کی پاداش میں جو تجھ سے رب الاثیتھر کے حضور میں سرزد ہوئی۔ تو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے آسمانی دنیا سے محروم کیا جاتا ہے۔"

مرقان نے نہایت استقلال سے یہ فیصلہ سُنا۔ مخلوق آسمانی میں قریب قریب ہر متنفس کو اس سے تھوڑی بہت محبت تھی اور اس لئے جم غفیر اس فیصلے کے واسطے دوزخ کے کمپونڈ میں جمع تھا، حکم سنتے ہی سکتے میں رہ گئے اور "اینجھرنگ کرئیٹر" کے "چیف سکرٹری" کی اجازت سے یہ تجویز ہوئی کہ ایک لوداعی ڈنر مرقان کو کل دہریہ سوسائٹی کی طرف سے دیا جائے۔ اس "او پرائرمٹینگ" میں شاہ بلوط اور زیتون کے

سر سبز شامیانے چاروں طرف نصب کئے گئے۔ للّی اور صنوبر کے پھولوں سے اوڈینس کی نشست گاہ آراستہ کی گئی۔ ایک خاص حصہ لیڈیز آف سکائی یعنی حوروں کے واسطے مخصوص کر دیا گیا، جلسہ کا وقت آیا تو لاکھوں قسم کے چاند تارے، ہزاروں وہری فرشتے اور حوریں آکر جمع ہوئے۔ سب سے پہلے پریسیڈنٹ کے انتخاب میں اختلاف رائے ہوا۔ زیادہ تر ووٹس قمر کلاں کے فیور میں تھے، مگر بحث یہ تھی کہ جب پیارا مرقان ہم سے جدا ہو کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور یہ میٹنگ اُسی کے آنر میں ہے تو صرف اس لئے کہ زمینی دنیا کی جنس لطیف "عورت" ہے، پریسیڈنٹ کوئی حور ہونی چاہیئے۔ اس بات کے زبان پر آتے ہی حاضرین اسی طرف کو جھک گئے اور کثرت رائے سے ایک حور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئی۔

مرقان کے دوستوں، عزیزوں اور ہم جنسوں نے اپنے اپنے رنج وغم کا اظہار کرکے مرقان کو الوداع کہا اور جب یہ رنج وغم کی اسپیچیں ختم ہوگئیں تو "پریسیڈنشل ایڈریس" اس طرح سے شروع ہوا۔

"ہم اپنے نوجوان دوست مرقان کو گو اس لحاظ سے ہمدردی کا مستحق نہ سمجھیں کہ اُنہوں نے ہمارے خالق الموجودات کی نافرمانی کی۔ مگر ہم کو یقین کامل ہے کہ ہمارے محترم "سکرٹری ٹو رب الاثیم" کی عنایت سے ان کی مصیبت کا زمانہ جلد ختم ہو جائیگا۔ میں نے اُن سے وعدہ لے لیا ہے کہ اگر مرقان انسانی دنیا کا کوئی بہترین تحفہ ہمارے سامنے پیش کرے گا تو یہ اس کے عفو قصور کے سفارشی ہوں گے (چیرز)

اُنہوں نے میری موجودگی میں "ملک الموت" کو حکم دیدیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں مرقان کی تسلّی و تشفّی کرتے رہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم اپنے مرقان کو رخصت کریں میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ہم سب من جملہ دوسری اشیاء کے انسانی دنیا کے اس تعلق سے واقف

ہونے کے ریا وہ مشتاق ہیں۔ جو "مرد عورت" میں قائم ہے اور اگر مرقان صرف اسی راز کا پتہ لگا سکے تو وہی ہم ہوں گے اور وہی مرقان اور وہی آسمانی بادشاہت۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ "انسان" کیوں ہم کو ایک نعمت خیال کرتا ہے اور "مریخ یار" والی ساری حوروں کا سارا طبقہ اس کے واسطے کیوں ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہے۔"

(٣)

پہلی اور دوسری روحیں

کوہ ملسینیا کا لامتناہی سلسلہ دور تک چلا جا رہا ہے خودرو پھولوں پر طائران خوش الحان کی چہک اور درختوں پر فاختہ کی کوکو چشم بینا کے واسطے عجیب سبق ہو۔ دریا کی لہریں لہروں کی ترقی و تنزل کی ابتدا اور انتہا، عروج و انحطاط، ان کا وجود اور فنا، بے ثباتی دنیا کا پیام پہنچا رہا ہے۔ دامن کوہ میں ایک گاؤں آباد ہے پانچ چھ ہزار جھونپڑیاں بساط زمین کے اس حصہ پر موجود ہیں، یہاں کی تمام مخلوق اپنے مشاغل میں منہمک اور ضروریات زندگی کی تکمیل میں مصروف ہو۔ آفتاب غروب ہو چکا، پرندے اپنے آشیانوں میں دبک کر بیٹھ گئے اور زلف شب کمر تک پہنچ گئی۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اس اندھیرے گھپ میں مرقان کو صرف ایک جھونپڑی میں چراغ ٹمٹماتا دکھائی دیا۔ اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ضعیف العمر انسان "ہائے قوم" کے نعرے لگا رہا ہے۔ اس کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا تھا اور قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوتی جاتی تھی کہ وہ دیوانہ وار اسی عالم خیال میں سر پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔ چند مسلمان صورتیں اس کے سامنے خاموش تھیں، وہ کبھی وعظ کہتا، کبھی نصیحت کرتا کبھی روتا، اور کبھی ہائے کے نعرے مارتا، لوگوں سے پوچھتا، عزیزوں سے مشورہ لیتا کہ کس طرح قوم اس نکبت و افلاس سے باہر نکلے۔ مرید اس کی گریہ وزاری میں ساتھ تھے رات اس کے سامنے اسی کرب میں صبح ہو گئی اور علی الصباح یہ فدائے قوم، اپنے مریدوں کی جماعت لیکر خلق اللہ کی اصلاح کو نکلا، سب سے پہلے وہ

رئیس الدہر کے مکان پر پہنچا، مطربان خوش الحان موجود، جام و مینا حاضر، اور انواع و اقسام کی نعمتیں میسر تھیں۔ دَور چل رہا تھا۔ ضعیف العمر یہ کیفیت دیکھ کر رہ گیا، اور بولا۔

"اے شخص اپنی حالت پر رحم کر اور اس ام الخبائث سے توبہ کر، یہ وہ شے ہے جس کا ایک قطرہ اگر دریا میں گر پڑے تو پانی حرام ہو جائے، بدن سے چھو جائے تو کاٹ کر پھینک دینے کا حکم ہے، ڈر خدا سے، موت کو برحق سمجھ اور یاد رکھ دوزخ بھی تجھ جیسے پلید سے امان مانگے گی۔ یقیناً تیرا یہ ناپاک جسم جہنم کو نجس کرنے والا ہے۔ ابھی توبہ کا وقت باقی ہے لیکن وہ وقت دور نہیں کہ زبان بند ہو جائے۔ ہاتھ پاؤں کام نہ دیں اور توبہ کا وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے۔

ولن یؤخر اللہ نفساً اذا جاء اجلہا و اللہ خبیر بما تعملون

چند روزہ زندگانی اور اس عارضی عیش پر بھول کر تو خدا کے احکام کو بھول گیا اور ابدی عذاب گوارا کر لیا۔ نماز، روزہ، جھوٹ، حسد، غیبت، سب کی عذاب کے بعد مغفرت ہے اور نہیں ہے تو شرک اور شراب کی۔ کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے اگر اب بھی سچے دل سے توبہ کرے اور آئندہ کے واسطے عہد کرے تو توبہ کا دروازہ کھلا اور اس کی رحمت کا جوش موجود ہے۔ وہ تو ایسی پاک اور بے نیاز ذات ہے کہ تیرے سر جھکانے کی دیر ہے۔ تو ایک بالشت سبقت کرے وہ ایک گز آگے بڑھے گی۔"

خدا کے رحم و کرم اور اپنے اعمال و افعال کا خیال آتے ہی رئیس الدہر کا نشہ ہرن ہو گیا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور عذاب آخرت اس کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چیخیں مار کر روتا رہا۔ ہر چند قلب کو تسکین دیتا تھا مگر کسی طرح صبر نہ آتا تھا۔ کچھ ایسا خدا کا خوف اس کے دل پر بیٹھا کہ اسی طرح چیخیں مارتا مارتا مر گیا۔

عرفان نے اس رئیس کی روح اپنے ہاتھ میں لی اور خیال کیا کہ میں ایک ادنیٰ سی نافرمانی پر اس قدر سزا کا مستوجب ٹھہرا لیکن یہ شخص جو مسلمان ہے اور جس کا

خدا پر یقین کرنا فرض ہے۔ اس کی تمام عمر نافرمانی میں بسر ہوئی۔ اس سے زیادہ تعجب انگیز شے آسمانی دنیا پر اور کیا ہوسکتی ہو۔ تھوڑی دور آگے بڑھا تھا کہ ایک مکان سے رونے پیٹنے کی آواز آئی۔ یہ بھی اپنی نوعیت میں مرتقان کے واسطے انوکھا سماں تھا۔ اندر پہنچا وہی ضعیف العمر مولانا دم توڑ رہے تھے۔ مرید روتے تھے اور دیواروں سے ٹکریں مارتے تھے۔ مرتقان بڑے میاں کی عظمت اور اُن کی ہمدردی کا پہلے ہی قائل ہوچکا تھا۔ ادہر اُن کی روح جسد خاکی سے علیحدہ ہوئی۔ اُدہر مرتقان نے دوسرے ہاتھ میں اس کو بھی لیا اور روانہ ہوا۔

اس سے پہلے مرتقان کو اس خدمت کے انجام دینے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایک چھوڑ دو دو روحیں مرتقان کی مٹھیوں میں تھیں۔ خدا معلوم ان کو چڑیاں سمجھا یا اسپرٹ خیال کیا کہ کہیں اُڑ نہ جائیں اور بیٹھے بٹھائے مفت کی ندامت حاصل ہو۔ چاروں طرف دیکھا مسجد میں ایک ہانڈی رکھی ہوئی تھی۔ لوٹنی میں ٹوانٹ لگا دونوں روحیں اس میں بند کرلیں اور منہ پر چپنی ڈھک دی۔

رئیس کی روح بڑے میاں کی تنومند روح کو دیکھ کر سہم گئی۔ الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ بڑے میاں کی روح نے آدہی سے زیادہ جگہ ہنڈے میں گھیر رکھی تھی۔ رئیس کی روح کو جو مرتقان نے اوپر سے چھوڑا تو دہڑ سے موٹی روح پر۔ اس طرح جا پڑی جیسے تربوز پر نارنگی۔ موٹی روح تاڑ تو فوراً گئی مگر ایک ایسی غضب ناک نگاہ سے دیکھا کہ دُبلی روح تھرا اُٹھی۔

موٹی روح "تواندھا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی دوسرا بھی بیٹھا ہے یا نہیں؟"

دُبلی روح "مجھے خبر نہ تھی للہ معاف کیجئے"

موٹی روح "اب سب خبر تجھے دوزخ میں ہوجائے گی"

دُبلی روح "کیا جناب کا بھی انتقال ہوگیا؟"

موٹی روح "بہشت، اُلّو ہم کہیں مرا کرتے ہیں۔ تجھے دوزخ تک پہنچا کر چلے آئیں گے۔"
دُبلی روح "تو جناب میرے ساتھ مُردوں کی طرح کیوں بندھے ہیں؟"
موٹی روح "اب بتاؤں کیوں بندھے ہیں؟ ہماری بات کا یقین نہیں کرتا۔ ابے ہم جھوٹے ہیں؟ اس لئے کہ تو بھاگ نہ جائے۔ چل پاؤں دبا اور رستے بھر ہماری خدمت کر۔"
دُبلی روح "اگر جناب........"
موٹی روح "ابے کیا بک رہا ہے، جناب، جناب آگے تو کہہ کیا کہتا ہے؟"
دُبلی روح "اگر جناب........"
موٹی روح "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا بدتمیز شخص ہے، آگے تو بک کیا بکتا ہے؟"
دُبلی روح "اگر جناب........"
موٹی روح "اب کے ایسا تھپڑ دوں گا کہ چہرہ بچھ جائے گا۔ ابے مر کر بھی بدمعاشی سے باز نہیں آتا۔ اگر جناب۔ اگر جناب بکے جاتا ہے، اگر جناب........ کیا شراب پلا دوں، کیا کروں؟"
دُبلی روح "جی نہیں توبہ، توبہ، صرف اس قدر عرض کرتا ہوں، کہ اگر جناب........"

دُبلی روح کا یہ کہنا تھا کہ موٹی روح نے اس زور سے دُبلی روح کے ٹکر دی کہ کروٹ میں جا کر گری۔ مرقان اپنی دُھن میں مست، بدھنی ہتھیلی پہ لئے چلے جا رہے تھے کہ بدھنی کو جنبش ہوئی اور ساتھ ہی بدھنی تڑ سے زمین میں۔ گرتے ہی چار ٹکڑے! اور دونوں روحیں جدھر جس کا منہ اُٹھا سیدھی ہولیں!

اب تو مرقان کی جان نکل گئی۔ کہ یہ خواہ مخواہ کیا مصیبت آئی۔ پہلے تو دونوں کو ڈانٹا کہ ٹھہر جاؤ آگے نہ بڑھنا" مگر اسے کیا معلوم کہ انسان اشرف المخلوقات

ہے۔ جب ایک بھی نہ ٹھہری، تو بے تحاشا لپکا۔ مگر عجیب تماشا تھا۔ موٹی کی طرف دوڑتا تھا تو دُبلی غائب، اور دُبلی کو پکڑتا تھا تو موٹی ندارد، آخر دُبلی کو چھوڑ موٹی کے پیچھے ہولیا۔ روح کی طاقت پرواز کتنی ہی تیز ہو مگر صرفان بھی آدمی نہ تھا، جا دبوچا چاہتا تھا کہ پکڑے مگر بڑے میاں بھی افعی تھے۔ یہیں سے پر تول کر نیچے ہولئے۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے صرفان، سطح زمین کے قریب پہنچکر بڑے میاں کنی کاٹ پھر اوپر اور صرفان دھم سے زمین پر! چوٹ بھی خاصی لگی اور جلا بھی خوب۔ مگر بڑے میاں کہیں سے کہیں پہنچ چکے تھے۔ کمر جھاڑ جھوڑ اُٹھا اور پھر لپکا۔ مگر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ سامنے پہاڑ آیا اور موٹی روح بالکل ہی غائب ہوگئی۔ سر پکڑ کر چوٹی پر بیٹھ گیا۔ نہ موٹی رہی نہ دُبلی۔ رہ گئے تو فقط صرفان! آدھی رات کا سنسان وقت اور بدنصیب صرفان اپنی تقدیر پر رو رہا تھا ادھر سے "ملک الموت" بھی آن پہنچے اور صرفان کو خالی دیکھ، سلام نہ دعا، چھوٹتے ہی کہنے لگے۔

"روحیں کہاں ہیں؟"

صرفان (سر کھجا کر) "روحیں .... موجود ہیں۔"

ملک الموت "موجود ہیں، کہاں ہیں؟"

صرفان "......... دیتا ہوں؟"

ملک الموت "تو کیا جیب میں ہیں یا کھو دیں؟"

صرفان ....

ملک الموت "ارے کم بخت بول تو سہی اُڑ گئیں؟"

صرفان ....

ملک الموت "اجی حضرت میاں صرفان صاحب فرمائیے تو سہی کیا گزری؟"

صرفان "کیا عرض کروں جی ہاں اُڑ گئیں۔"

اتنا سنتے ہی ملک الموت تو سناٹے میں رہ گئے اور دونوں کی تلاش میں روانہ ہوئے
دُبلی بیچاری تو اپنے گھر کے کوٹھے پر چپکی بیٹھی ہاتھ آ گئی۔ مگر موٹی کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا مگر
ملک الموت کیا چھوڑنے والے تھے۔ آٹھ دن کے بعد دیکھا تو ایک بکری کے تھن سے
بڑے میاں چیچڑی کی طرح لپٹے ہوئے ہیں۔ دونوں روحیں ملک الموت لے کر آسمان
پر چلے اور عرفان اُن کے ساتھ۔

انسان پر ملک الموت کو رحم آتے کبھی نہ سُنا۔ مگر ہم وطنی بھی عجیب چیز ہے۔ عرفان
کی منت سماجت سے ملک الموت نے قریب پہنچکر دونوں روحیں پھر اُسی کے ہاتھ میں دیدیں
اور عرفان نے ہشاش بشاش داروغہ کے پاس پہنچکر انسانی دنیا کا یہ بیش بہا تحفہ پیش کیا۔
داروغہ کو پہلے تو بہت ہنسی آئی اور پھر کہا۔

"عرفان تجھ کو سخت مغالطہ ہوا۔ تو نے ابھی انسان کو ذرہ بھر بھی نہ پہچانا۔ تو جس
نتیجہ پر پہنچا، وہ قطعی غلط ہے۔ انسانی دنیا کا واسطہ براہ راست رب الموجودات
سے ہے اور وہ دربار ہم سے بڑا اور وہاں کے حالات ہم سے بالکل مختلف ہیں۔
چل میرے ساتھ چل اور ان دونوں کے حالات سُن۔"

داروغہ، عرفان اور دونوں روحیں اُدھر پہنچیں تو ان دونوں کے اعمالنامے
کی جانچ پڑتال ہو رہی تھی۔ پہلے "مولینا" کی سوانح عمری اس طرح پڑھی گئی۔

پہلی روح

"یہ گنہگار روح اس ظالم شخص کی ہے جس نے ہادی بن کر خلق اللہ کو گمراہ کیا۔ اس
کی ہمدردی جھوٹی، اس کا خلوص لغو، اس کی محبت دھوکا۔ اس کا رونا مکر اور اُس کا
جُبہ و عمامہ فریب تھا۔ ان تمام باتوں کی تہہ میں شہرت اس کا مقصود اور حب جاہ اس کی
غرض تھی۔ اس نے نہایت بیدردی سے محض اپنے نفس کے واسطے غریبوں کے گلے
کاٹے، مسجدوں، مدرسوں، یتیموں اور رانڈوں کے نام سے دوسروں کا روپیہ اُڑایا اور

کی جائداد تھا، زمین ملا کر اپنے مکان بنوائے۔ ہمیشہ عیوب کی تلاش اور برائیوں کی پرچول اس کا وظیفہ رہا۔ اس نے سنت رسول کے نام سے عمر بھر نکاح کئے اور اس کی زندگی کا سب سے بدتر کارنامہ جو آخری عمر میں اس کے سیاہ دامن پر کلنک کا ٹیکہ ہے اس طرح شروع ہوتا ہے:

صبح کی جھوٹی نماز سے فارغ ہو کر یہ کم بخت ایک روز صحن مسجد میں اس توقع پر ٹہل رہا تھا کہ کوئی نیا شکار آ کر پھنسے کہ دفعتاً ایک حسین عورت آتی ہوئی دکھائی دی۔ بدنصیب تھی مگر مخلص، پریشان تھی لیکن سچی۔ انتہائے مصائب نے اس کے مزاج میں توحش پیدا کر دیا تھا اور مفارقت حبیب قریب تھا کہ اس کی دیوانگی کا باعث ہو جائے۔ متمول رئیس کی بیٹی تھی، مگر تقدیر کی ہیٹی۔ شوہر کی موت نے آنکھوں میں دنیا اندھیر کر دی تھی۔ دن کا بڑا حصہ مطالعہ کائنات اور رات کا اکثر وقت یاد دلدار میں بسر کر دیتی پہلو میں غیور دل اور دماغ میں نفیس خیالات موجود تھے۔ سمجھتی تھی کہ یہ تعلقات فانی، ہستی ناپائیدار اور یہ محبت جھوٹی ہے۔ مگر انسان تھی، قلب مضطرب میں مادہ احساس موجود تھا اور شوہر مہجور کے خیال کا پاس لازمی۔ زندگی کی کٹھن منزلیں اور جوانی کا پورا شباب زمانہ آنکھ کے سامنے تھا۔ تیا ساتھ تھا اور گوزر و جواہر کی کمی نہ تھی مگر ایک معصوم بچے کے سوا کوئی والی وارث نہ تھا۔ ڈرتی تھی کہ کہیں قدم نہ ڈگمگا جائے اور میدان حشر کی اس گھڑی میں جب شوہر سے آمنا سامنا ہو شرمندہ کھڑی ہوں۔ آنکھ لگ جاتی تو ان ہی تفکرات میں سوتی، اور اٹھ بیٹھتی تو ان ہی خیالات میں منہمک رہتی۔ ساری ساری رات اور پورے پورے دن خوف خدا سے تھراتی، لرزتی کانپتی رہتی۔ دل کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو قصد کیا کہ بچہ کو ساتھ لوں اور بیت اللہ چلی جاؤں۔ مکہ معظمہ کا وسیع میدان میرا مسکن، اور مدینہ منورہ کی مقدس گلیاں میرا نشیمن ہوگا۔ شوہر کا خیال میرا لال میرے پاس ہوگا۔ اللہ اللہ کروں گی اور اس وقت کی منتظر رہوں گی جب شوہر کی اس امانت کو کلیجے کے ٹکڑے

کو زندہ چھوڑ کر خدا کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے محبوب سے ملوں۔ بچّہ کو کلیجے سے لگائے ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں صبح سے شام تک جنگلوں میں ماری ماری پھرتی۔ خدا کی شان تھی جس بی بی کے گھر پر ہاتھی جھوم رہے تھے۔ کڑکڑاتے جاڑوں میں آفتاب اس کے جسم کو سردی سے محفوظ کرتا۔ غروب آفتاب کے بعد رات کو آتی اور محلسرا کے کسی گوشہ میں پڑ رہتی۔ موذن اذان دیتا۔ چڑیاں مخلوق خدا کو صبح کا پیام پہنچاتیں۔ اور اچھی بیوی کی یہ سچی تصویر دولت و جواہرات پر لات مار اپنی بیش بہا دولت کو گود میں لے نکل کھڑی ہوتی۔ ایک روز اس کا گزر اتفاق سے اس طرف ہوا۔ ظالم مولانا مدت سے تاک میں تھا۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آیا۔ دیوانہ وار لپکا اور سلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر مسجد میں لے آیا۔ کیسا نازک وقت تھا کہ ایک طمع دنیا کا بندۂ حرص اور دولت میں اندھا ایک بھولی بدنصیب لڑکی کو شیشہ میں اتار رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو میرا افسوں بیکار ہوگا۔ حصول مقصد کے تمام ذرائع بتا کر جب سنگدل اس مضمون پر پہنچا تو آسمان کے تمام فرشتے تھرا اٹھے۔

"خدا نے اپنے پاک بندوں پر محض ان کی آزمائش کے واسطے مصیبتیں نازل کیں رسول اللہؐ نے ہمیشہ فاقے کئے۔ حضرت یعقوبؑ سے یوسفؑ کو بچھڑوا کر اندھا کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود کے ہاتھوں آگ میں پھکوایا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو پیدا ہوتے ہی لق و دق میدان میں بے آب و دانہ چھوڑ دیا۔ حضرت ایوبؑ کے تمام جسم میں کیڑے ڈال دیئے اور حضرت ابراہیمؑ سے اسمٰعیلؑ کو ذبح کروا دیا۔ یہی پیغمبری کی اصلی نشانیاں ہیں۔ اور اگر تو خدا کی مرضی حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر اور خدا پر قربان کر دے۔"

ذبح کا نام آتے ہی ماتا کی ماری ماں نے بچہ کو جو کلیجہ سے دودھ پی رہا تھا زور سے کھینچ کر چپٹا لیا اور ششدر مولانا کی صورت دیکھنے لگی۔

مولانا: "اگر ہمت ہے تو بسم اللہ کر میں تیرا ہاتھ بٹاؤں گا۔ خدا کی رضامندی آسان نہیں ہے۔ دنیاداروں کے واسطے یہ مصیبت ہے۔ مگر اس کی تہہ میں ابدی باغ اور خوشیاں ہیں۔ شوہر بھی لے، بچہ بھی لے اور ہمیشہ ہمیشہ کو چین کر۔"

عورت: "آپ عالم ہیں، تمام شہر آپ کا مرید ہے۔ آپ فرماتے ہیں درست ہے۔ مگر میرا دل نہیں مانتا جس طرح گذرے گی گذار لوں گی۔"

مولانا: "کیوں تم لوگ دنیا کے جھوٹے ڈھکوسلوں میں پھنستے ہو اور خدا کو بھول کر ابدی عذاب مول لیتے ہو۔ وہ عذاب جس سے چھٹکارا نہیں۔ وہ مصیبت جس کا خاتمہ نہیں اور وہ تکلیف جس کا علاج نہیں۔ اگر یہ بچہ خود خدا نے لے لیا تو کیا کرے گی۔ جب اس کی موت اس کے اختیار میں ہے تو خود ہی کیوں نہ حاضر کر دے۔ کہ دونوں جہان میں عزت آبرو سے بسر کرے اور آسمان کی تمام روحیں تیرے استقبال کو جمع ہوں۔"

عورت: .... (خاموش)

مولانا: "لا! بچہ مجھے دے۔ اور خدا کی قدرت دیکھ۔"

عورت کے ہوش و حواس غائب تھے، گو خدا کی رضامندی اس کو اس زبردست قربانی پر آمادہ کرتی تھی مگر جب بچہ کی محبت کا جوش آتا تھا تو بیتاب ہو جاتی تھی۔ آخر اس نے چند لمحہ کی مہلت مانگی، حجرہ میں گئی بچہ کو لٹا کر پیار کیا اس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے گلے میں ڈالے اور کہنے لگی "نہیں نہیں میں کس دل سے اپنے بچہ کو ذبح کر دادوں! ہائے اس خیال سے میرا کلیجہ نکلا جا رہا ہے۔"

حسرت نصیب بچہ مٹر مٹر ماں کی صورت پر ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا اور اس معصوم کی نگاہیں ماں سے التجا کر رہی تھیں کہ مجھ کو ظالم کے ظلم سے بچا۔ کلیجہ پر چھٹا سے باہر آئی اور رو کر کہا۔

"حضور نہیں"

مولانا "اری بدنصیب تجھکو صرف شیطان بہکا رہا ہے جس طرح حضرت ایوبؑ کو بہکایا تھا۔ تین دفعہ جلد لاحول پڑھ اور بچہ مجھے دے .... مولانا نے زبردستی بچہ گھسیٹ لیا۔ بچہ رویا تو مامتا کی ماری ماں کا کلیجہ نکل پڑا، بیقرار ہوئی آئی۔ پیار کیا لینا چاہتی تھی۔ مگر ظالم مولانا نے تیز چھری نکالی۔

بول او دغاباز انسان! بتا، کہ کیا گزری ہوگی اس ماں کے دل پر جس کو تونے جھٹک دیا اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا زمین میں ڈال کر اس کی آنکھوں کے سامنے آبدار چھری اس کے گلے پر رکھ دی!

عرفان ہم تمام فرشتے آسمان سے اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے، ہمارے دل معصوم لال پر کٹ گئے مگر اس ظالم کا دل نہ پسیجا۔ بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرہ پر تھی وہ اب بالکل ساکت ہوگئی تھی کہ اس شقی القلب نے چھری پھیر دی۔ خون کا شرارہ زور سے نکلا، مامتا کا جوش اٹھا اور جن چھاتیوں سے دودھ نکلتا تھا ان سے بھی خون کا فوارہ چھوٹا۔ ایک چیخ مار کر بچہ کی لاش پر گری اور ٹھنڈی ہوگئی!

عرفان یہ ہے وہ روح جس سے بہتر روح تجھ کو دنیا میں نہ مل سکی؟

اب دوسری روح کے حالات سن جس کو تو بدترین خیال کر رہا تھا سن اور انسانی خصائل کا اندازہ کر

دوسری روح

اس شخص کی عمر کا قریب قریب تمام حصہ مے خواری اور بے فکری میں بسر ہوا اور وہ چیز جو حرام کر دی گئی تھی اس نے مطلق اس سے پرہیز نہ کیا مگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہمیشہ جاگزیں رہا اور خلق اللہ کی خدمت سے اس نے کبھی پہلو تہی نہ کی۔ شام کو جس وقت نوجوان بن ٹھن کر اور ضعیف العمر اپنی ضرورتوں کے واسطے بازاروں میں نکلتے۔ تو یہ اس تلاش میں پھرتا کہ اس مخلوق کا پتہ لگائے جس پر آنے والی

رات فاقے کی مصیبت ڈالے گی۔ یہ کیچڑ میں لتھڑے بچھڑے یتیم بچوں کو گود میں اٹھاتا اور اُن کے پتے پوچھتا۔ رانڈوں اور دکھیاری عورتوں کے گھر معلوم کرتا اپاہجوں مظلوموں بے کسوں کے حالات دریافت کرتا اور اسی طرح روزانہ ہر محلہ میں جاتا اور شام تک رہتا۔ رات کو جب خدا کی دی ہوئی نعمت انواع اور اقسام کے کھانے اس کے سامنے آتے تو اُن میں سے تین حصے اُٹھا لیتا اور ایک حصہ چھوڑ دیتا۔ یہ تین حصے اور روپے پیسے کی پڑیاں لے کر ان دروازوں اور گھروں پر پہنچتا جن کا حال معلوم کر چکا ہے۔ وہاں جا کر ان مظلوموں کے ساتھ روتا اور منت سے جو کچھ پاس ہوتا پیش کرتا۔ بیسیوں یتیم روزانہ اس کے ہاتھ سے پیٹ بھرتے اور بہت سی رانڈیں اس کی بدولت اطمینان سے سوتیں اپاہج اس کے نام پر عاشق اور بیمار رونا تو ان سچے دل سے اس کو دعائیں دیتے۔ رات کو یہ شخص اپنے گھر پر آکر کھانا کھاتا، شراب پیتا اور اسی حالت شکر میں روتا گڑگڑاتا سجدہ میں گر پڑتا۔

اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے۔

ایک روز اسی طرح رات کو یہ شخص اپنے گھر واپس آرہا تھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں سے اس نے رونے کی آواز سنی۔ آسمان ابر آلود ہی نہیں بارش خاصی ہو رہی تھی۔ بجلی تھم تھم کر اور یا دل کڑک کڑک کر چمک اور گرج رہے تھے۔ مکان کا صرف ایک کواڑ تھا اور ہوا کی شدت سے اس کی دھڑ دھڑ ایک بیوہ عورت کا جو اپنی پانچ برس کی بچی کو لئے بیٹھی تھی، کلیجہ دہلا رہی تھی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور قریب قریب بساط دنیا کا ہر متنفس نیند کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ مگر جاگ رہی تھیں تو یہ دو ماں بیٹیاں جن کے سر پر کوئی وارث تو درکنار دنیا میں کوئی اتنا نہ تھا کہ اُن کے حال پر دو آنسو گرا لے۔ لڑکی بچہ تھی ماں کا دل اس وقت ہوا ہو رہا تھا، اور ڈر کے مارے جان نکلی جاتی تھی۔ ایک کواڑ وہ بھی

سے کنڈی کا، ڈرتی تھی، گھبراتی تھی۔ تڑپتی تھی اور روتی تھی۔ سہم سہم کر صحن میں آجاتی تھی۔ ذرا سا کھٹکا ہوتا تو کلیجہ بلیوں اچھلنے لگتا۔ یہ شخص کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور جب بچی کی گریہ وزاری کسی طرح ختم نہ ہوئی تو اس نے دل کڑا کرکے بآواز بلند کہا۔

"دروازہ پر تشریف لائیے"

اتنا سنتے ہی عورت کی جان نکل گئی، وہ تھرتھر کانپنے لگی، اور لڑکھڑا کر پوچھا "کون ہے"

شخص: "ایک لمحہ کے واسطے یہاں آئیے"

عورت کی روح فنا ہورہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ خدائے پاک کی ذات کے سوا اس وقت دنیا والوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو مجھکو اس ظالم سے بچا سکے۔ نہ معلوم کون ہے۔ چور ہے۔ ڈاکو ہے کیوں آیا ہے کیا غرض ہے۔ محلہ کے آدمیوں کو چیخ کر آواز دی۔ مگر رات کا وقت بارش موسلا دہار، کون سنتا تھا اور کیا ہوسکتا تھا۔ مجبور دروازے تک آئی، اور کہا کون ہے۔ کیا ہے"

شخص: "اگر اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے تو میں تمہارا بھائی ہوں۔ ایک بچہ اتنی دیر سے رورہا ہے۔ اگر یہ میرا فانی جسم جو ایک روز اس قابل ہو جائیگا کہ کیڑے کھائیں اس بچہ کو کچھ مدد دے سکے۔ میرے ہاتھ پاؤں اگر اس معصوم کے دکھ کو رفع کرسکیں اور میں روسیہ گنہگار تمہارے کچھ کام آسکوں، تو اے بہن! مجھکو حکم دے کہ میں تعمیل کروں میں چور نہیں ہوں دل ہراساں نہ کرو۔ بدمعاش نہیں ہوں مطمئن رہو۔ خدا کی نافرمانی کے واسطے زندہ ہوں۔ اگر تم مجھ سے کچھ کام لو تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب شخص کون ہوگا"

عورت ششدر تھی کہ یہ کون شخص ہے اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مینہ زور سے

پڑ رہا تھا اور دونوں کھڑے بھیگ رہے تھے، کچھ دیر وہ خاموش رہی اور پھر کہا،

"نہیں نہیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ کا احسان ہے آپ جایئے"۔

عورت کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ اندر سے بچی نے نہایت درد سے رو کر کہا،

"اماں میری چوڑیاں آ گئیں"

شخص "آپ میری طرف سے مطمئن رہیں اس وقت دنیا عالمِ خواب میں ہے مگر ایک زبردست طاقت والا مالک میرے دل کی کیفیت سے واقف اور میری حالت کو دیکھ رہا ہے۔ میں اس آدھی رات کے وقت اسی کو گواہ کرتا ہوں کہ میں دھوکا نہ دوں گا۔ تم میری بہن ہو۔ جو امکان میں ہے وہ مدد دوں گا۔ خدارا یہ بتا دو کہ یہ بچی کیسی چوڑیاں مانگ رہی ہے۔

عورت "ہماری داستان مصیبت تمہارا دل دہلا دے گی ہم تمہاری عنایت کے شکر گزار ہیں۔ بھائی جاؤ اپنا کام کرو۔ مینہ پڑ رہا ہے، مفت میں بھیگ رہے ہو۔ خدا تم کو خوش رکھے"

شخص "بہن میں نے تم کو ابھی خدا کا واسطہ دیا ہے اور پھر دیتا ہوں کہ مجھ پر بھروسہ کرو اور للہ مجھ کو اپنے درد میں شریک کرو"

عورت "اگر تم سچے ہو اور مجھ دکھیاری بیوہ اور اس یتیم بچی کے ہمدرد اور مجھ جیسی عورت کو جو سر سے پیر تک مصیبتوں کی پوٹ ہے، دھوکا نہیں دیتے، تو شوق سے اندر آ جاؤ، مگر یاد رکھنا انسانی دنیا مصیبتوں کا پہاڑ مجھ پر توڑ چکی ہے اب نئی مصیبت تمہارے سامنے میرا فاقہ کرے گی۔ اور اس ننھی سی جان کا صبر تمہاری جان پہ ہوگا۔ آؤ اندر آ جاؤ"

عورت نے ایک چادر سر پر اوڑھ لی بتی کا ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اس شخص کے زیادہ اصرار سے اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا۔

"میں نام تو نہ بتاؤں گی، مگر ایسے شوہر کی بیوی ہوں جس کے دستر خوان سے بیسیوں اللہ کے بندے روزانہ پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا اور موت میرے شوہر کو مجھ سے جدا کر گئی۔ تو یہ بچی جو آج پانچ سال کی ہے دو دوسرے برس میں تھی۔ اثاثہ ہمارے پاس کافی تھا۔ مگر لوگوں نے ہم سے بے ایمانی کی۔ اور ہمارا مال غصب کر لیا۔ مفلسی میں عزیزوں نے ہم سے آنکھیں پھیر لیں۔ کچھ عرصہ تک زیور سے کام چلایا۔ مگر وہ بھی کب تک چلتا، ختم ہوا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لیا۔ دن بھر ٹوپیاں سیتی ہوں اور جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتی ہوں اور اس کو کھلا دیتی ہوں، میرے بنے ہوئے زمانہ کی ایک بڑھیا ماما کبھی کبھار آ جاتی تھی۔ میں نے اس سے التجا کی کہ وہ میرے پاس سو رہا کرے اس نے میری درخواست منظور کی اور اس طرح میری تنہا راتیں اس کے ساتھ بسر ہونے لگیں، اور میرا غم اس کی بدولت غلط ہونا شروع ہو گیا۔ آج صبح کو بڑھیا اپنے ایک پہلوان بیٹے کو لیکر آئی اور کہا "چار روپے مہینے کے حساب سے پانچ مہینے رات کے سونے کی تنخواہ بیس روپے دیدو"۔ میں حیران تھی کہ میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا مگر اس کے لڑکے نے خفا ہونا شروع کیا۔ اور کہا "میں گھر میں گھس کر برتن بھانڈے اٹھا لیتا ہوں"۔ محلہ والے جمع ہوئے میں نے بڑی بی کے سونے کا اقرار کیا اور سب نے ملکر دس روپے پر فیصلہ کر دیا۔ بھائی اب ہمارے ہاں تانبہ کا برتن کوئی نہیں۔ البتہ چند مٹی کے برتن موجود ہیں۔ مگر اس بچی کے پاؤں کی چار چوڑیاں بڑی بڑی مصیبتوں اور سخت تکلیفوں میں بچا کر رکھی تھیں وہ بڑی بی نے زبردستی اس کے پاؤں سے اتار لیں بچی سب لوگوں کا منہ دیکھتی رہی اور وہ چوڑیاں جو میں نے اکیس روپے کی بنوائی تھیں پڑوس کے ایک شخص نے دس روپے دیکر لے لیں۔ یہ بچہ ہے بہتیرا سمجھاتی ہوں نہیں بہلتی"

یہاں تک پہنچکر عورت کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

گر ضبط کیا اور خاموش ہو گئی، بچی سو گئی، مگر دفعتہً چونکی اور اٹھ بیٹھی، ایک غیر شخص کو دیکھتے ہی فوراً کہنے لگی۔

"اماں میری چوڑیاں یہ لائے ہیں؟"

موذن اذان دے رہا تھا کہ یہ شخص اس آدمی کا پتہ پوچھ کر جس نے چوڑیاں لی تھیں روانہ ہوا۔ دیکھا تو وہ نماز کے واسطے باہر نکل رہے تھے۔ بہت منت سے کہا۔

"دس روپے لے لیجئے، وہ چوڑیاں دیدیجئے"

نمازی صاف انکار کر گیا اور بمشکل پندرہ روپے پر چوڑیاں دینے کو رضامند ہوا۔ اس شرابی نے جس وقت وہ چوڑیاں اس بچی کو پہنائی ہیں اور اس نے اچھل کر کہا ہے۔

"اے بی اماں میری چوڑیاں آ گئیں!"

اس کی قیمت تمام انسانی دنیا بھی نہیں ہے!

عرفان! یہ بہترین روح ہے جو خدا کے خوف سے ڈر کر مری!

کچھ سنا اے کم بخت مولینا! تو جس نے جوانی میں مدتوں ڈاڑھی منڈوائی اور ایک نماز بھی سچی نہ پڑھی تجھکو کیا حق تھا کہ دوسروں کے اس فعل پر اعتراض کرتا جو حقوق العباد میں شامل نہیں ہے۔

گر مے نہ خوری، طعنہ مزن مستاں را | گر توبہ دہد، توبہ کنم یزداں را
تو فخر کنی کہ من مے نہ خورم | صد کار کنی کہ مے غلام ست آں را

عرفان کی یہ کوشش بیکار رہی، جاؤ، پھر تلاش کرو اور انسانی دنیا کا ایک ایسا تحفہ لاؤ جو تمہارے عفو قصور کا باعث ہو سکے"

(۴)

تیسری روح

تاج گنج سے تھوڑی دور ایک آراستہ پیراستہ عالیشان محلسرا آسمان سے کھڑی

باتیں کر رہی ہے اور جمنا کی لہریں باد صرصر کی اٹھکیلیوں سے مدہوش ہو کر جہاں جھوم جھوم کر مدفنِ ارجمند بانو پر قربان ہوتی ہیں وہاں ایک سرسری نگاہ اس عمارت پر بھی ڈال دیتی ہیں۔ رات کا ابتدائی حصہ ہے مگر چاند کی روشنی محلسرا کے پائیں باغ میں سرو کے درخت سے چھن چھن کر ایک چاند سے چہرہ پر پڑ رہی ہے۔ یہ بارہ تیرہ برس کی ایک بھولی ناتجربہ کار لڑکی ہے۔ اس کے کپڑے معمولی بلکہ میلے۔ اس کا جسم زیور اور آرائش ظاہری سے ناآشنا۔ گم سم کھڑی ہے لیکن ایک جوان بنا ٹھنا جس کے عطر کی لپٹوں اور پھولوں کی مہک نے باغ کو بھی مات کر دیا۔ اس کے پاؤں پر سر رکھے رو رہا ہے۔ یہ حالت چند لمحہ طاری رہی اور اس کے بعد اس لڑکی نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"بھائی اکرم، خدا کے واسطے اٹھو تو سہی بتاؤ میں کیا کروں۔ دیکھو کتنی دیر آئے ہوئے ہو گئی۔ اگر کہیں ابا جان پوچھ بیٹھے، تو کیا ہو گا، بس تم جاؤ۔ اب نو بج رہے ہیں۔ ان کے آنے کا وقت ہے۔ میں جاتی ہوں۔"

اکرم "میری چچا زاد بہن! اللہ یہ چاقو لو اور اپنے ہاتھ سے میرے کلیجے میں بھونک دو۔ ہائے کیا کروں، دنیا مر رہی ہے۔ مجھے موت نہیں آتی۔ حسینہ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں صرف اس مورت کی پرستش کروں گا۔"

حسینہ "بھائی یہ تو بتاؤ میں کیا کروں۔ میں کس غضب میں پھنس گئی ا میں یہ پرستش ورستش کیا جانوں۔ تم سر اٹھاؤ۔ دیکھو گڑ گڑ ہو رہی ہے۔ ابا جان کی گاڑی آگئی اچھی بھائی اکرم سر اٹھاؤ۔"

اکرم "تم نے جہاں اتنا رحم کیا ہے وہاں اتنا رحم اور کرو کہ رات کو جب سب سو جائیں تو چند لمحہ کے لئے اس چہرہ کی زیارت پھر کرا دینا۔ ورنہ علی الصباح تم میری لاش یہاں پڑی ہوئی دیکھو گی۔ دیکھو یہ سنکھیا میں کئی دن سے جیب میں ڈالے پھر رہا ہوں۔ مجھے دین و دنیا کا ہوش نہیں، میری حالت ساعت بہ ساعت ردی تی

جارہی ہے۔ آج چار روز سے میں نے کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کبھی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ پلک سے پلک جھپکانی حرام ہے۔ بس تمہاری یاد تمھارا خیال اور تمھاری تصویر! حسینہ مجھ پر رحم کر میں اس صورت پر قربان ہوں گا بس نہیں چلتا کہ یہ ٹکڑا کلیجہ میں رکھ لوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بچپن کی وہ بھولی بھولی باتیں جوانی میں مجھ پر یہ ستم ڈھائیں گی اور میں صرف اسی کام کا رہ جاؤں گا کہ حسینہ کو سامنے بٹھا کر اس کی عبادت کروں۔"

حسینہ: "رات میرا آنا بہت مشکل ہے، اگر ذرا سا کھٹکا بھی ہوگیا اور کسی کو خبر ہوگئی تو کیا ہوگا۔ تم وہیں چلکر سو رہو۔ اماجان کہہ رہی تھیں کہ اکرم کا جی خبر نہیں اب کیسا ہے۔"

اکرم: "نہیں نہیں، بہن، بس تم اتنا رحم کرو اگر تم کو میری اس حالت سے ہمدردی ہے اور مجھکو زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو جس طرح ہو ایک دفعہ صورت دکھا جانا ورنہ لاش صبح تک اس جگہ تمھارے انتظار میں پڑی ہوئی ملے گی۔"

حسینہ: "اکرم بھائی! میری عقل کام نہیں کرتی کیا کروں۔ اے ہے سچ سچ گاڑی آگئی۔ جارہی ہوں۔"

(۵)

"نصیبن بہن! آج آٹھ دن سے میں دیکھ رہی ہوں کہ روز رات کو، ساری رات اس بیچ والے مکان میں سے رونے کی آواز آتی ہے اور اس درد سے کہ کلیجہ پہ چوٹ لگتی ہے۔ نہ معلوم کون اللہ کا بندہ ایسا مصیبت کا مارا ہے کہ جس کو پلک سے پلک جھپکانی حرام ہے۔ یہ مکان ہمارے ہوش سے آباد ہے، کچھ آج کل کا بسا بھی نہیں کہ نئے لوگ ہوں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جو کوئی بھی رہتا ہے، برسوں گذر جانے پر بھی آج تک ملنا جلنا تو درکنار کبھی کسی بچے کی، بڑے کی، عورت کی، مرد کی، ہوں تک

نہ سُنی۔ سوائے اس گریہ وزاری کے کہ جس سے میرا کلیجہ دہلتا ہے۔ کل رات بھر تو مجھ کو اماں جان کی بیماری کا فکر بندھا ہوا تھا، اُدھر سے جو یہ دردناک صدا آئی ہے تو کلیجہ کا یہ حال تھا کہ بلیّوں اُچھل رہا تھا۔ کہتی تھی کہ پَر ہوں تو اُڑ کر پہنچ جاؤں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے پڑوسی کو جو کچھ ممکن ہو مدد دیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہم دونوں چلیں۔"

نصیرہ: "بوا، چلنے میں تو ہرج نہیں۔ مگر پرایا گھر، انجان لوگ، کیا خبر آنے دیں نہ آنے دیں۔ تم ابھی کہتی تھیں کہ برسوں ہو گئے، مگر دیوار بیچ ہے تک پتہ نہیں کہ کون ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ چلنے کو چلی چلو، مگر نہ گھسنے دیا تو بڑی کرکری ہوگی۔"

اسلم: "ہم اپنا فرض ادا کریں کرکری کیا ہوگی۔ نہ آنے دیں گے چلے آئیں گے۔ مگر مردانہ ہوا تو بڑی مصیبت ہوگی۔ نگوڑے مردوں کی جھڑکیاں کون سُنے گا۔"

نصیرہ: "جب ارادہ کیا ہے تو بسم اللہ کرو۔ اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈر۔ مگر ڈولیوں میں چلنا ٹھیک نہیں۔ برقعہ اوڑھ لو۔ مردانہ ہوگا لوٹ آئیں گے۔"

اسلم: "اے ہے بہن نہیں، دن دہاڑے برقعہ میں!"

نصیرہ۔ ہرج کیا ہے ڈولی میں چلنا تو ہرگز مناسب نہیں۔"

اسلم: "اور جو کسی کو خبر ہو گئی تو؟"

نصیرہ: "نیک کام کو چل رہے ہیں۔ اللہ نیت کے حال کو جانتا ہے۔ لو بہنتی ہو تو اُٹھو۔"

اسلم: "چلو۔"

دونوں نے برقعہ اوڑھا اور جلدی سے نکلکر نیم والے دروازے میں پہنچیں۔ تو وہی دردانگیز رونے کی آواز آرہی تھی۔ پہلے دونوں نے مشورہ کیا اور پھر جھانک کر دیکھا تو آدمی، نہ آدم زاد ایک عورت نہایت ردی حالت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے، پُرانے دھرانے بچھونوں میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ اتفاق سے

دروازہ کی طرف تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس نے کچھ سوچا اور کہا۔

"بیویو! اگر آنا چاہتی ہو تو شوق سے اندر آؤ۔"

دونوں اندر گئیں۔ کوئی اچھی جگہ اندر بیٹھنے کو نہ تھی۔ بوریئے بھی ٹوٹ کر زمین سے بدتر ہو گئے تھے۔

اس عورت نے دونوں کو بیٹھنے کے واسطے کہا اور یہ خاموش بیٹھ گئیں۔

جب زیادہ دیر گذر گئی تو اس عورت نے کہا۔

"بیویو۔ آپ نے کیسے تکلیف کی؟ کیا غرض ہے؟ کہاں رہتی ہو؟ کس کے پاس آئی ہو؟"

نصیرہ "ہم آپ کے پڑوسی ہیں۔ آپ سے ملنے کو بہت روز سے جی چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آج دل کڑا کر کے آ گئے اور احسانمند ہیں کہ آپ نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔"

عورت "میں اس محلہ میں مدت سے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی آپ نے تکلیف نہ فرمائی۔ ان دنوں میں آپ کا جی کیوں مجھ سے ملنے کو زیادہ چاہا۔؟"

نصیرہ "اگر ناگوار نہ ہو تو ہم مفصل کیفیت عرض کریں۔"

عورت "ناگوار کیا ہو گا۔ میں اس درجہ کو طے کر چکی کہ کوئی بات گوارا یا ناگوار ہو۔"

نصیرہ "یہ تو آپ نے ایک معمہ فرما دیا۔ انسان زندگی میں کس طرح ایسے درجے کو طے کر سکتا ہے۔"

نصیرہ "خیر اس بحث کو جانے دیجئے۔ اس میں کیا رکھا ہے۔ آپ اپنے آنے کی وجہ فرمایئے۔"

اسلم "چند روز سے ہم اس گھر سے ایسے دردناک رونے کی آواز سنتے ہیں کہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ نیند قطعی اڑ جاتی ہے۔ کئی دفعہ

یہ قصد کیا کہ اسی وقت آئیں اور آپ سے ملیں۔ مگر رات کا وقت ہوتا ہے شاید آپ آنے کی اجازت نہ دیں، نہ آسکے۔"

عورت:"آپ مطمئن رہیں کہ آیندہ آپ کو ایسی تکلیف نہ ہوگی۔ اور آپ تشریف لے جائیں"

نصیرہ:"ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس آنے سے جو ہماری غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی۔"

عورت:"آپ وہ غرض بھی فرمائیے۔"

اسلم:"کیا اس رونے میں ہم کچھ مدد دے سکتے ہیں کہ وہ تکلیف کسی طرح کم ہو"۔

اتنا سنتے ہی عورت کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کا نڈھال چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اب نکل پڑیں گی۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ غصہ ضبط کیا اور کہا۔

"آپ ہماری مدد کو آئی ہیں؟

میں آپ کی شکر گزار ہوں، مگر آپ کی ہمدردی کی محتاج نہیں۔"

کوٹھری میں سے کسی کے کھانسنے کی آواز سنکر اسلم اور نصیرہ دونوں نے برقعہ سنبھالکر اوڑھ لیا اور کہا۔

"کاش ہم اپنی ایک بہن کو کچھ مدد پہنچا سکتے تو ہم سمجھتے کہ ہم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ آپ ہم کو اپنی تکلیف میں شریک نہیں کرسکتیں۔"

عورت:"میری داستان مصیبت ایسی نہیں کہ کوئی اس میں شریک ہوسکے یا اب اس کو ہلکا کردے، جو مصیبت آگئی اب کسی طرح ٹل نہیں سکتی جو تیر کمان سے جو بات زبان سے نکل چکی اب اس کا واپس آنا مشکل ہے۔ بہنو میں بیمار ہوں اور اب میرا آخر وقت ہے۔ صرف میرے پاس ایک چیز ہے جس کو میں کسی امین کے

سپرد کرنا چاہتی ہوں۔ مگر آہ اس کمبخت دنیا میں انسان ...... امین ......"

عورت کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس نے پھٹی ہوئی دری کے نیچے سے ایک تصویر نکالی اور کہا۔

"امین، امین، بہتر امین۔

معزز بہنو! میں تمہاری ہمدردی کی دل سے ممنون ہوں۔ یقین کرو کہ تم میری مصیبت میں کام نہیں آ سکتیں اور ایک تم کیا کوئی بھی نہیں آ سکتا۔ تم میری مصیبت سننے کے بعد ہمدردی تو درکنار، شاید مجھ سے ہزاروں کوس دور بھاگ جاؤ۔ مجھے وہ مرض ہے کہ میری ہوا سے، میں وہ بیمار ہوں کہ اس وبا سے اور میں وہ کمبخت ہوں جس کی صدا سے دنیا کانوں پر ہاتھ دھرے گی۔ تم میرے رونے سے متاثر ہوئیں۔ انسانیت کا فرض ادا کیا۔ شکرگزار ہوں اور یقین دلاتی ہوں کہ اب یہ آواز نہ سنو گی۔ بےچینی کے نالے، بےصبری کی فریاد، بےکسی کا شیون بےبسی کی زاری، عالم بیخودی میں زبان تک آ گئی۔ تکلیف ہوئی، بیو بو! معاف کرنا۔ اچھا سلام۔"

عورت کے تیور بگڑے جاتے تھے اس کے قلب کی کیفیت عجیب تھی مصیبت میں غصہ اور پریشانی میں جرأت اس کی گفتگو سے ٹپک رہی تھی اور گو اس کا لباس کثیف، اس کی صورت رذیل اس کا گھر ذلیلوں کا ذلیل تھا، مگر اقبال اس کے چہرے سے ظاہر اور رعب اس کی شکل سے عیاں تھا، وہ کبھی روتی تھی اور کبھی غصہ میں تھرّا اٹھتی تھی، مگر کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ذرا جوش میں اٹھتی تو چکر آتے اور بیٹھ جاتی۔

نصیرہ "بی بی ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن آپ سے ایک دفعہ پھر منت سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنی امانت ...."

عورت "ہٹو، ہٹ جاؤ۔ اس ذلیل دنیا کی کم بخت دغاباز روحوں! ہٹ جاؤ۔ دنیا کے بسنے والو، ایمانو! تکلیف نہ دو۔ چھوڑ دو۔ للہ مجھے چھوڑ دو۔ اے بیویوں رحم، اے پڑوسنو بخشش! (تصویر نکال کر)

ہاں! ہاں! اے سچے امین! امانت.........."

عورت کا چہرہ غصہ سے پھر لال ہوگیا۔ مگر یہ کیفیت تھوڑی دیر رہی اور اس کے بعد آنسو کی جھڑیاں بہ گئیں۔ وہ ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری۔

"بہنو! اب اس زخم پر نمک نہ چھڑکو۔

تم! شوہروں کی بیویاں، بچوں کی مائیں، ساسوں کی بہوئیں نندوں کی بھاوجیں ہو۔ رات سر پر آرہی ہے۔ اب جاؤ ایسا نہ ہو، ایک ذلیل، کمینہ، بدترین عورت کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچے۔ میری ہمدرد بہنو! جاؤ اپنے اپنے گھر سدھارو، رات میری ہمدرد ہوگی، اور رات کا اندھیرا میرا مونس، تارے مجھ پر لعنت بھیجیں گے آسمان اور ہوا کا ہر ٹھنڈا جھونکا مجھے ملامت کرے گا۔"

اس وقت اسلما اور نصیرہ دونوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہم کسی قابل نہیں۔ مگر خدا کا واسطہ بی بی ہم سے خدمت لو، اور ہم کو اپنی کیفیت سنا دو" عورت سنبھل کر بیٹھ گئی اور جوش میں دیوانہ وار کہنے لگی۔

"سنتی ہو سنو۔ آہ میں کون ہوں، کیا ہوں، جانتی ہو، نہیں جانتیں! میں اُس باپ کی بیٹی ہوں، جو میری صورت کا دیوانہ تھا جس کے در سے کبھی حاجتمند خالی نہ پھرا۔ اس ماں کی بچی، جس کا فیض آج تک جاری ہے۔ ہائے کیونکر کہوں۔ یہ دونوں ماں باپ ابھی زندہ ہیں اور میری تلاش میں باپ آنکھیں اور ماں دماغ کھو چکی ہیں ابھی اچھی طرح جوان بھی نہ ہوئی تھی، دنیا کے نشیب و فراز مطلق نہ سمجھ سکتی تھی کہ ایک دغاباز ڈاکو کا شکار ہوگئی۔ وہ کمینہ انسان میرا چچازاد بھائی تھا جس نے مجھکو یقین دلایا کہ

اگر میں چند لمحہ کے واسطے آدھی رات کے وقت پائیں باغ میں نہ جاؤں گی تو سنکھیا کھا لے گا۔ میں اس کی گھاتوں سے ناواقف، اس کے مکر سے بے خبر، جا پہنچی اور اس دغا باز نے بہلا کر پھسلا کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرا خاندانی جوہر، میرے باپ دادا کی عزت، میرے شیشۂ عصمت کو بالجبر چکنا چور کر دیا! اس وقت کا دیکھنے والا اور اس حال کا جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ درخت جو میرے سر پر سر سرا رہے تھے اور وہ عالم الغیب جو پوشیدہ رازوں کا جاننے والا ہے۔ مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو گا۔ مگر قدرت نے اس مصیبت کی یادگار، اس ظلم کا انجام میرے واسطے چھوڑا۔ اور یہ وہ لڑکی ہے جس کے کیا لسنے کی آواز تم نے اندر سے سُنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا اور مجھکو یقین ہو گیا کہ اب میری ہستی ایک معزز خاندان کی تمام آبرو پر پانی پھیر دے گی تو میں نے اس شقی القلب کو ایک خط لکھا اور لکھدیا کہ میں اس شہر سے غارت ہوتی ہوں اور فلاں وقت اس گھر سے ان گھر والوں سے اور چیزوں سے اور ان لوگوں سے ہمیشہ کو رخصت ہو جاؤں گی۔ چنانچہ میں نے اپنا بیش بہا جواہرات کا زیور اور جس قدر روپیہ لے سکتی تھی، ساتھ لیا اور ان ماں باپ کو جن کی صرف میں ہی ایک اکلوتی بیٹی تھی، سوتا چھوڑ، چل کھڑی ہوئی تو ادھر سے اس شقی القلب کی برات آ رہی تھی! اور وہ دولھا بنا گھوڑے پر بیٹھا تھا! میں نے دُور سے اس کی بیوفا نظریں دیکھیں اور جدہر منہ اُٹھا چل نکلی۔ مسامیہ سے میں نے اس کو خط لکھا اور اپنا مفصل پتہ بتا دیا۔ کئی روز بعد اس کا یہ خط مجھے ملا۔ جو ہر وقت میرے پاس رہتا ہے۔

حسینہ!

تم نے بڑی غلطی کی کہ تم یہاں سے چلی گئیں۔ تمہاری عزت تو برباد

ہوئی ہی تھی۔ لیکن اب تمہارے فرار سے میری بھی بدنامی ہو گی۔
اس وقت میرا آنا مشکل ہے۔ ممکن ہوا تو اگلے مہینے میں آنے کی
کوشش کروں گا۔

مسامیہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جو میرے دامن عصمت پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔
رات بھر اپنے فعل پر روتی اور دن بھر اپنی حالت پر آنسو گراتی ہوں، سنا ہے ماں
باپ روتے روتے اندھے ہو گئے۔ گو یہ ممکن ہے کہ میں پھر اُن سے جا ملوں
لیکن یہ منہ اب اس قابل نہیں رہا۔ میری حالت ردی ہو گئی۔ اور موت قریب ہے
صرف اس کم بخت کی یہ امانت میرے پاس موجود ہے، اور اس کے خیال سے
مجھ پر مصیبت کا بار بہت زیادہ ہو گیا۔

"بتاؤ بیوی کیا مدد دے سکتی ہو۔ دیکھو بخار چڑھا ہوا ہے۔ چند گھنٹوں یا دنوں
کی یہ ناپاک روح اور اس دنیا میں مہمان ہے۔ تم اتنا کرم کرنا کہ میرے بعد اس
بچی کو اس سنگدل باپ کے پاس پہنچا دینا۔"

حسینہ کی حالت بدتر تو پہلے ہی تھی اس کا جوش اور بھی ترقی کر گیا اور اکرم
کی خطرناک تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ دانت چبانے اور سر دھننے لگی اور
اُسی حالت میں تڑپتے تڑپتے مر گئی۔

صرتفان نے اس روح کو قبضہ میں لیا اور آگے بڑھا۔

(۶)
چوتھی روح

نامور سردار حاتم بے کا تیسرا اور سب سے چھوٹا لڑکا طلعت بے جس کے حسن کا
سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا ہے ایک قہوہ خانہ کے پاس گھاس کے ایک سرسبز قطعہ پر

خاموش بیٹھا ہوا ایک مشہور فقیہ کی لڑکی مغیرہ سے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، باتیں کر رہا ہے۔

طلعت: "مغیرہ! میری رائے میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی ایک عورت کو کسی مرد کی بیوی بننے سے جو حقوق حاصل ہوتے ہیں میں نہایت خلوص سے ان سب کا تم سے وعدہ کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں باقاعدہ طور پر کسی دوسری عورت کا شوہر زندگی بھر نہیں ہو سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں اپنے باپ کے حکم اور لاچار اپنی ماں کے اصرار سے، کہ وہ باوجود سخت کوشش کے رضامند نہیں ہوئے، اور اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ میں قطعاً غیر متوقع اتنی دُور دراز جگہ بھیجا جا رہا ہوں۔ قرنی سرکشوں کا قضیہ ایسا نہ تھا کہ اس کی شرکت کے واسطے مجھ کو حکم دیا جاتا۔"

مغیرہ: "اس خیال کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تم باوجود اس حیثیت کے کہ میں تم کو پسند کرتی ہوں، مجھ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے ناجائز مطالبات پر دم بھر کے واسطے بھی غور کروں۔ مجھکو اپنے جذبات اپنی خواہشوں اور اپنی ضروریات کا قتل کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے، بمقابلہ اس کے کہ میں اپنے باپ کی شہرت پر بٹہ لگاؤں۔ تم نے آج پھر وہی گفتگو کر کے میرے خیالات کو تکلیف پہنچائی۔"

طلعت: "مغیرہ! میں ایک عرصہ دراز کے واسطے تم سے اب جُدا ہو رہا ہوں۔ یہ رات اس سے پہلے کہ آفتاب کا استقبال کرے، مجھ کو تم سے کوسوں دور کر دے گی۔ یہ تھا وہ خیال جو اس نازک وقت میں برسوں کے ارمان کو زبان پر لے آیا۔"

مغیرہ: "اگر تم کو میری دل آزاری کا خیال ہوتا تو یہ تجویز زبان پر دوبارہ نہ آتی۔ میں تمہارے مقابلہ میں ایک غریب باپ کی بیٹی اور کم حیثیت انسان ہوں، مگر تموّل

اور اعزاز انسانیت کا معیار نہیں۔ یقیناً میں تمہارے خیالات کی اس قدر دل آزاری کبھی جائز نہ سمجھ سکتی۔ خیر مضٰی مامضٰی۔ تمہاری ٹرین ٹھیک تین بجکر بیس منٹ پر روانہ ہوتی ہے اور مجھے اُمید نہیں کہ میں اُس وقت اسٹیشن پر پہنچ سکوں۔"

طلعت:"اس وقت تمہارا آنا مناسب بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ اسٹیشن پر موجود ہوں گے جن کی نگاہ میں تمہاری موجودگی باوقعت نہ ہو۔"

مغیرہ:"میں خود سمجھ سکتی ہوں۔"

طلعت:"اچھا مجھے اب چلنا چاہیئے۔ گیارہ بج چکے ہیں۔"

مغیرہ:"مجھے تمہارے روکنے کا ایسی حالت میں کہ تم جانا چاہتے ہو کوئی حق نہیں ہے۔"

طلعت۔(ہاتھ بڑھا کر)"خدا حافظ۔"

مغیرہ۔"اچھا اگر تمہاری یہی خوشی ہے، تو خدا حافظ!"

(۷)

قرتاش کے وسیع میدان میں ہزارہا بندگانِ خدا دونوں طرف سے اپنے وطن پر جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ آفتاب کے نکلتے ہی سنگینوں کی چمک نے تمام میدان کو جگمگا دیا۔ دشمن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ تھی مگر وطن کا جوش ایسا نہ تھا کہ سلطنت آسانی سے کامیاب ہو جاتی۔ دفعتہً اُن کے کمانڈر نے ایک موثر تقریر کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ سلطنت نے بھی اس وقت خوب داد شجاعت دی۔ دن بھر خوں ریز جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ آفتاب کی تیز شعائیں دھیمی پڑ گئیں اور جب اس پر بھی لڑائی ختم نہ ہوئی۔ آفتاب آنکھ سے اُوجھل ہو گیا تو طلعت بے نے بے جگری سے چار پانچ زبردست حملے دشمن پر کئے اور اس کا خیال تھا کہ اب اندھیرے میں آخر حملہ دشمن کے پاؤں اُکھاڑ دے گا۔ مگر ایک شخص نے مقابل میں آ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ طلعت کے سخت زخم آیا اور وہ

اسی حالت میں بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ رات زیادہ آ گئی تھی۔ معرکہ دوسرے روز کے واسطے ختم ہوا اور طلعت بے اسی میدان میں بے ہوش پڑا تھا کہ ایک سپاہی اس کو اٹھا کر راتوں رات کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ زخموں کی حالت روز بروز خراب ہوتی رہی مشہور ڈاکٹر علاج میں سرگرمی سے مصروف تھے، مگر افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، دماغ پر ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا کہ بسا اوقات اس کی باتیں مجنونانہ اور اس کی حرکتیں دیوانہ وار ہوتی تھیں۔ بالآخر اس ملازم سپاہی کو بھی مایوسی ہوئی اور اس نے سمجھ لیا کہ اب طلعت کی حالت رو بہ صحت نہیں ہو سکتی۔ قدیمی نمک خوار تھا اور جو مال متاع پاس تھا وہ سب ختم کر چکا اور اب صرف اس قدر باقی رہ گیا کہ دونوں وطن پہنچ سکیں۔ مگر راستہ کی زحمت اور مسافرت کی تکان ایسا خطرناک سماں آنکھ کے سامنے تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی۔ گو ڈاکٹروں کی رائے میں ابھی مایوسی کے آثار موجود نہ ہوئے تھے۔ مگر سپاہی کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ بالآخر اس نے مصمم عزم کیا کہ علی الصباح طلعت کو لے کر روانہ ہو جائے لیکن رات ہی کو یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو گئی کہ دشمن کا قبضہ دریائے میلبٹ پر ہو گیا۔ اور تمام رستے بند ہو گئے۔ مجبوراً قصد فسخ کرنا پڑا اور وہ روپیہ جو سفر کے واسطے رکھا گیا تھا۔ پھر تیمارداری میں صرف ہونا شروع ہوا۔ اس مرتبہ بھی دماغ کی حالت اصلاح پر نہ آئی اور ساتھ ہی بخار کا ایسا زبردست حملہ ہوا کہ سپاہی کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے۔ یہ بخار اکیس روز کے بعد رفع ہوا تو طلعت یوں تو بظاہر تندرست تھا، مگر اس کی صورت مردوں سے بدتر تھی فقط آنکھیں باقی رہ گئی تھیں۔ جو ڈگر ڈگر کرتی تھیں۔ اُن میں بھی اتنی طاقت نہ تھی کہ پورے لمحہ بھر کے واسطے اچھی طرح کھل سکیں۔

رفتہ رفتہ زخم اچھے ہونے شروع ہوئے، طاقت بھی کچھ آنے لگی تو طلعت کو

اس سپاہی کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ صورت پہلے کی دیکھی ہوئی تھی مگر پہچان مطلق نہ سکتا تھا دو ایک دفعہ خود ہی سوال کیا مگر یہ دیکھ کر کہ سپاہی نے چیں بہ جبیں ہو کر ٹال دیا خاموش ہو گیا۔ لیکن دل میں ایک کریدنی ہر وقت لگی رہتی ہے کہ یہ شخص جس نے اپنے تمام عیش و آرام مجھ پر قربان کر دیئے جس کی بدولت میری جان میں جان آئی، کون ہے، اور میں اس کے احسانات کا کیا معاوضہ کر سکتا ہوں۔ ہر چند دماغ پر زور دیتا مگر مطلق پتہ نہ لگا سکا۔ ایک روز وہ عالم تنہائی میں بیٹھا مغیرہ کی پچھلی چھٹیاں پڑھ رہا تھا کہ دفعتہً اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو راتوں رات یہاں سے بھاگ کر گھر پہنچے۔ گو رستہ خطرناک تھا مگر دونوں کامیاب ہوئے اور کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر وطن کی سرحد پر جا پہنچے۔ اس وقت سپاہی تھوڑی دیر کے لئے آنکھ سے اوجھل ہوا، اور زنانہ لباس میں سامنے ہو کر کہا۔

میں وہی کنیز مغیرہ ہوں۔ اب خدا تمہارا وطن تم کو مبارک کرے میں رخصت ہوتی ہوں"

(۸)

مساجد سینٹ ہیلن کے پاس ایک مشہور شفاخانہ میں مریضوں کا مجمع ہے اور ڈاکٹر باری باری ہر مریض کو دیکھ کر نسخہ تجویز کر رہا ہے۔ گیارہ بجے کے بعد جب مریض چلے گئے تو ایک برقعہ پوش عورت نے آ کر نبض دکھائی اور تمام کیفیت بیان کرنے کے بعد نسخہ کی منتظر تھی کہ دفعتہً ڈاکٹر نے باآواز بلند کہا۔

"چلی جا، فوراً چلی جا، یہ متعدی مرض ہے اور اس کی ہوا ابھی برابر بیٹھنے والوں کی موت کا باعث ہو گی"

"تقدیر کی خوبی ہے کل نکاح ہے اور آج یہ مرض شروع ہوا۔ اللہ اللہ تیری

قدرت کے بھی کیا کھیل ہیں۔ طلعت کے والدین میری خدمات کے صلہ میں اپنا نکاح
پر رضامند ہوئے تو یہ مصیبت آئی۔ مجھ کو کوئی ظاہری تکلیف نہیں صرف کہنی میں ایک انہ
ہے جس میں کسی قسم کی سوزش نہیں تکلیف نہیں۔ مگر ہاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔
بہر حال جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس وقت وہ ارمان جو میری زندگی کا ماحصل تھا پورا
ہو رہا ہے۔ میری اگر زندگی سے کوئی توقع تھی تو صرف یہ کہ طلعت میرا شوہر ہو، وہ
پوری ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کامیابی اس سے زیادہ خوشی اب میں اس دنیا سے کیا لونگی
مگر نہیں نہیں! محبت کا دعوےٰ کر چکی ہوں اور سچ مچ مجھکو طلعت سے محبت ہی۔ کیا محبت
کے یہی معنی ہیں کہ میں اپنی آرزو پوری کر لوں اور طلعت کو اس مصیبت میں پھنسا دوں۔
افسوس افسوس!

مجھے خدا زندہ نہ رکھے، اس وقت جب میں طلعت کو ایسی تکلیف پہنچاؤں۔ وہ
ہمیشہ زندہ رہے۔ دنیا کی خوبی دیکھے۔ خوش رہے۔ یہ میرا عین مقصد ہے اور یہی عین
کامیابی۔ دانہ بڑھتا جا رہا ہے۔ طلعت بے چینی سے کل کا منتظر ہوگا کہ نکاح ہو جائے
اور وہ میرا شوہر بنے۔ مگر اس سے زیادہ میں بیچین ہوں۔ چلوں ایک دفعہ اس کی
صورت اور دیکھ لوں۔ مگر آہ اے کم بخت خود غرض مغایرہ! شرم! شرم!! اگر اس
وقت کی ہوا طلعت کو یہ مرض لگا دے تو محبت کا دعوےٰ کہاں گیا۔

یہ ممکن نہیں کہ میں زندہ رہوں تو طلعت مجھ سے دور رہے۔ دانہ بہت زیادہ
بڑھ گیا۔ مر گئی تو وہ ضرور میری لاش پر آئے گا۔ موت ایسی ہو کہ طلعت کی زندگی
پر اثر نہ پڑے، کنوئیں میں گر پڑوں۔ مگر نہیں لاش نکلے گی۔ ممکن ہے کہ مرض
متعدی اس وقت رنگ لائے۔ ہاں ہاں فرات طلعت کے بدلے مجھکو آغوش
میں لے گا۔ لہریں مجھکو کنار میں لیں گی اور اس طرح عمر گزشتہ کا ارمان پورا ہوگا۔
وہ وقت آنکھوں کے سامنے ہے جب میں اور طلعت شب ماہ میں دجلہ کی سیر

کشتی میں کر رہے تھے۔ طلعت کا ہاتھ پانی میں پڑا تھا۔ آج بھی دریا میری پردہ پوشی کرے گا۔ یہ پانی طلعت کے ہاتھ سے مس ہوا۔ اس پر میرا حق ہے۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع دیدوں۔ حبیب اور محبوب کا کل نکاح ہے۔ نہیں میں بیمار رہوں۔ مرض متعدی اندیشہ ہے کہ تم کو نہ لگ جائے۔ مدتوں کے ارمان دل کے دل میں رہے اور ایک بھی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میں اپنے محبوب طلعت پر قربان ہوتی ہوں۔ زیادہ رنج کی بات نہیں صبر کرنا اور خوش رہنا۔"

دوپہر کا سنسان وقت تھا۔ زیتون کے درخت سرسبز کونپلوں کو آغوش میں لئے جھوم رہے تھے، کہ دریائے دجلہ نے مغیرہ کو آغوش میں لے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

یہ روح بھی عرفان نے ہاتھ میں لی، اور عالم بالا میں پہنچا۔ دونوں روحیں پیش کیں۔ داروغہ نے دونوں روحیں دیکھیں اور کہا۔

"بیشک عرفان یہ روحیں اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے اچھی ہیں، مگر ان سے بہتر روحوں کا وجود بھی ہے۔ جا اور تلاش کر۔"

(۹)
پانچویں روح

رفعت پیاری!

تمھارے حسن و جمال میں خدا ترقی دے۔ میں ابھی زندہ ہوں مگر موت کی منتظر، موجود ہوں لیکن ناپید ہونے کا خواستگار۔ تم نازن ہو۔ نازن رفعت دعا کرو، کہ خدا بدنصیب نثار کو اب دنیا سے اُٹھا لے، سُنا ہے تمہاری شادی کی تاریخ ٹھہر گئی۔ خدا مبارک کرے اور وہ وقت جلد لائے کہ رفعت دلہن بنکر پالکی میں بیٹھی، پھولوں میں

بیبی، زیور میں لدی، اپنے دولہا کے گھر جا رہی ہو۔ میں تمہاری عنایتوں کا احسانمند ہوں۔ تم نے مجھ جیسے ذرہ بے مقدار کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر گاڑھے کو کمخواب بنا دیا۔ تمہارا شکریہ کس منہ سے ادا کروں تم نے وہ کیا کہ آج انسانی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ میں تمہارے غلاموں، تمہارے نوکروں تمہارے ملازموں کے بھی لائق نہیں۔ مگر تم نے اپنی شرافت سے اپنی انسانیت سے اپنے رحم سے اپنے کرم سے میرے ہاتھ پکڑے کی لاج رکھی، اور دکھا دیا کہ مہمان نواز بیگمیں ایسی ہوتی ہیں۔ لیکن تم جانتی ہو۔ اچھی طرح معلوم ہے، کہ میں ایک روح تمہارے حسن پر سے قربان کر چکا اور گو آج اس کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں، مگر اس کی مکروہ صورت، اس کی بھونڈی باتیں، اب بھی جب یاد آتی ہیں تو نفرت ہو جاتی ہے۔ اب میں صرف تمہارا بندہ ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔ نہ کسی بیوی کا شوہر ہوں نہ کسی ذی روح کا مالک۔ اگر خدا مجھ کو اس قابل رکھتا تو تم دیکھتیں اور یہ تمہارا غلام دکھا دیتا کہ منزل عشق میں ثابت قدم رہنے والے عشاق اور کسی کے احسان کا اعتراف کرنے والے ممنون کس طرح اپنی عزیز سے عزیز شے حسن پر قربان کر دیتے ہیں۔ اب میرے پاس ہائے پیاری سافعت! میرے جان و مال کی مالک، میرے دین و ایمان کی مالک سافعت! کچھ نہیں۔ ہاں صرف یہ ایک جان موجود ہے۔ دولہا تمہاری پالکی پر زر و جواہر کے ڈھیر اور اشرفیاں نچھاور کرے گا۔ مگر تمہارا سچا غلام نثار تمہاری پالکی پر اپنی جان نثار کرتا ہے۔

اس کی روح تمہاری پالکی کے پاس اور کہاروں کے ہر قدم کے
ساتھ ہو گی ہمرافعت پیاری پچھلے احسانوں کا معاوضہ آج تک
کی محبت کا بدلہ۔ بدنصیب نشاں کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔
تمہارے جہیز میں ہزاروں لاکھوں کا زیور۔ ہیرے جواہرات۔
سونا چاندی۔ تمہارے چڑھاوے میں، ایک چھوڑ چار چار پانچ
پانچ علاقے۔ بیسیوں گاؤں سینکڑوں مکان موجود ہیں،
مگر مجھے تمہاری پچھلی محبت اور دیرینہ عنایات سے امید ہے
کہ تم اس کم بخت اور غریب و بدنصیب کا یہ ہدیہ بھی قبول کرو گی۔
جس کا مقصد زندگی صرف تم کو عمر بھر سجدے کرنا تھا۔ تمہارے
ہیرے کے کنگن جو شادی کے بعد اب عمر بھر تمہارے ساتھ سوئیں گے،
تمہاری جڑاؤ مالا جو اب ہمیشہ ہمیشہ کو تمہارے گلے کا ہار رہو گی،
تمہارے کانوں کی مگر پھر کیاں جو مدتوں تم سے سرگوشیاں
کریں گی، وہ یاقوتی جھومر جو تمہارے زلف سیاہ کا ہمراز ہوگا،
سب میرے ہاتھوں میں کھیلے ہیں، اور اس وقت میرے دل
مجروح پر چرکے لگا رہے ہیں، میں اب تم سے اور ہر اس چیز
سے جو تمہاری ملکیت ہو مدت العمر کو جدا ہوتا ہوں اسرافعت
دیکھنا کیسا نازک وقت ہے اور غور کرنا کہ نشاں پر جو محض تمہاری صورت
کا دیوانہ تھا، یہ سننے کے بعد کہ اب وہ موہنی صورت دوسرے کی
ملکیت ہوتی ہے کیا گزر گئی۔ مگر

لازم ہے سوز عشق میں ظاہر فغاں نہ ہو جل بجھئے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

پیاری ہمرافعت! اپنے عاشق مہجور بیکس و بے بس نشاں کا یہ تحفہ قبول کرنا۔

خدا تم کو خوش رکھے۔ دنیا اور دنیا کے مشاغل چند روز بعد تمہاری حالت روبراہ کردیں گے، مگر رفعت پیاری رفعت جب تک زندہ ہو اس نشاط کو نہ بھولنا جو تم پر سے قربان ہوگیا۔ اس خوشی میں جو قانونی دنیا تم کو عطا کرے اور خدا رات دن نت نئی خوشیاں نصیب کرے۔ دن عید اور رات شب برات ہوں۔ مجھ جان نشاط کے خیال کو شریک کر لینا۔ کیا کوئی انسان کسی انسان پر اس قدر سخت ظلم کرنے کے بعد جو تمہارے باپ نے مجھ پر کئے انسان ہونے کا مدعی ہوسکتا ہے؟ مگر نہیں نہیں۔

پیارا ہے، پیاری کا پیارا

وہ تمہارے محترم باپ اور میرے بزرگ ہیں، جو کچھ کیا، خوب کیا، اُن سے کیا شکوہ ہوسکتا ہے۔

گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

کیوں رفعت! کیا میری آنکھیں اس وقت سے پہلے ابدی نیند نہ سوجائیں گی اور میرے کان اس لمحہ سے پہلے ہمیشہ کو بیکار نہ ہوجائیں گے۔ جب میں دیکھوں یا سنوں کہ میری محبوبہ دوسرے کی ملکیت ہوگئی۔ رفعت پیاری میں ان بے غیرت محبت کے جھوٹے مدعی، بھولی عورتوں کو بہکانے والے مردوں میں سے نہیں ہوں جو اُن کے بعد بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ جی گھبراتا ہے۔ کلیجہ نکل رہا ہے! بس رفعت خدا حافظ فی امان اللہ!

بدنصیب

نشاط

پیارے نشاہ!

خیالات کو بلند، دل کو ہشیار اور طبیعت کو مطمئن کرو کیسی شادی کس کا بیاہ کہاں کا نکاح۔ دیکھو جو کچھ ہوا اور ہونے دو جو کچھ ہو رہا ہے۔ باپ مختار اور ماں مستحق سہی مگر دونوں خدا نہیں ہیں، نکاح سے کیا ہوگا اور وداع کیا کریگی ایک عارضی ڈھکوسلا ہے، ہو جائے اور اماں باوا کا ارمان ہے شوق سے پورا ہو۔ اظہر میرا بھائی ہو اور بھائی رہیگا۔ رفعت کا مالک نہیں ہو سکتا۔ رفعت نشاہ کی ہے اور رہے گی۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے۔ تارے دن کو نظر آئیں اور آفتاب رات کو مگر رفعت جو دل نشاہ کو دے چکی ہو وہ اب دوسرے کے قبضہ میں نہیں جا سکتا۔ تمھاری زندگی سے میری زندگی اور تمہارے دم سے میرا دم ہے، اگر جاتے ہو تو مجھ کو ساتھ لو۔ یہاں اطمینان نصیب نہ ہوا تو عالم بالا میں کوئی حارج نہ ہوگا۔ میں اسی وقت تک زندہ ہوں جب تک تم موجود ہو۔ جب تم نہ ہوئے تو میری زندگی فضول اور جینا بیکار۔ شادی کی سیر دیکھو اور اس نکاح کا لطف اُٹھاؤ۔ یہ شادی خانہ آبادی نہیں ایک گھر کی بربادی ہوگی۔ اور یہ نکاح ایک شخص کی محبت آمیز نگاہوں کو ابدی نیند سلا دیگا۔ پیارے نشاہ کس کی ہستی ہے کہ رفعت پر محبت بھری نظریں نشاہ کے سوا ڈالے میں عورت ہوں مگر اس آنے والی مصیبت میں استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اپنے ارادے پر ثابت قدم اپنے خیال کی پکی اور اپنی دھن میں مست ہوں۔ گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں بھی تماشہ دیکھ رہی ہوں اور اس بدنصیب اظہر کی بدقسمتی پر افسوس کرتی ہوں جس نے

جان سے ہاتھ دھو کر یہ سودا مول لیا۔ موت اس کے سر پر سوار ہے اور یہ خبط اس کو گہری نیند سلا دے گا۔ مرد ہو کر اتنے بچو اس اور سمجھدار ہو کر اتنے بودے! واہ میاں نثار واہ! ایسی بڑ لگی کہ پچھلے احسان تک زبان پر آ گئے اور جو کچھ باقی رہ گئے ہوں تو وہ بھی گن والو۔ تمہاری بیوی مریں تو اپنی موت سے جل جو گئی تھیں، صورت شکل خاک نہ تھی۔ تیہا ہی تیہا تھا، جل جلکر اور پیٹ پیٹ کر چل دیں۔ میں نے اُن کو کچھ کے نہیں دیئے، تم نے ان کو زہر نہیں دیا۔ اُن کی موت کا احسان مجھ پر کیوں اور یہ جھوٹی کا ذکر مجھ سے کیسا؟ ہاں میں تم کو دکھاؤں گی کہ زبان کی لاج اور اقرار کا پاس کیسا ہوتا ہے، میں محبت کی مدعی ہوں۔ زبردست قربانی کروں گی اور وہ قربانی کہ دنیا واہ واہ اور عاقبت عش عش کرے، میں اُن بیوقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو خودکشی کرتی ہیں۔ نہ تم جیسے اُن بزدل مردوں میں سے جو مرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ مرے ہماری جوتی اور ڈرے ہمارا صدقہ۔ جان جائے تو اُن کی جن کی خواہش غلط جن کی درخواست بیجا اور جن کا خیال کچا، نثار میاں! دنیا کلجگ نہیں کرجگ ہے۔ اظہر ملعون اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نثار کی ہو چکی۔ اگلے برس جاڑوں میں جب یہ چرچا ہوا ہے تمہارا پرچہ اور میرے شامی کباب پکڑے گئے تو ایک دو نہیں، سارے محلے اور کنبہ میں ڈنکہ بج گیا۔ بھیڑ کی لات گھٹنوں تک۔ بہتیروں نے لعن طعن کی۔ مگر ان ہی میں ایمان کی بولنے والے اور انصاف کی کہنے والیاں بھی تھیں۔ میری زبان نہیں تو کیا کان تو موجود ہیں، بول نہ سکتی تھی مگر سنتی تھی، خالہ کو بَیّا اور اُن کے چچا سید نے صاف کہہ دیا تھا کہ جوان بیٹی کو بٹھا کر گھر میں کوار کوٹ چننا تو یہی رنگ لائے گا۔

میری تمہاری محبت چوری چھپے نہیں۔ ڈھکی ڈھکائی نہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اور اس کم بخت اظہما کو سب سے زیادہ معلوم ہے۔ رقعے پرچے خط۔ پتر کون سی چیز ہے جس کی اُسے خبر نہیں۔ ناگپور کے سنترے اُس نے کھائے متھرا کی بھیلی اُس نے چکھی۔ ایسا ننھا نہیں۔ اندھا نہیں۔ اب جو دیا وہ پائے اور جو کیا وہ بھگتے۔

نارضامندی کی شادی گڑیوں کا کھیل ہنسی ٹھٹھا نہیں۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی اور ایک دو دفعہ نہیں دس دفعہ بہنوں سے میں نے کہا۔ بھاوجوں کو میں نے جتا دیا۔ حد یہ ہے کہ اماجان تک سے کئی دفعہ باتوں باتوں میں اور دو دفعہ صاف صاف کہہ چکی ہوں۔ اب تم بتاؤ ابا جان سے تو کہنے سے رہی۔ مگر اماجان خدا اُن سے سمجھے وہ کانوں میں روئی ٹھونس کے بیٹھی ہیں کہ خبر نہیں۔ وہ بھی مجبور ہیں۔ ہونی شدنی، تقدیر کا لکھا کس سے ٹلا ہے جو اظہما کا ٹلے گا۔ نثار اللہ کی شان ہے اظہما اور رفعت کا شوہر! توبہ توبہ.................

میں دنیا میں خوار ہوں گی نہ خدا کی گنہگار، اپنا فرض ادا کر چکی۔ اب ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے۔ رفعت قند نہیں کہ کوئی گھول کر پی جائے۔ حلوا نہیں کہ لپ لپ کھا جائے۔

البسڈ، بڑے بھائی جان کی تصویروں کی پوری بوتل، زہر قاتل، میرے قبضہ میں ہے اور یہ ہر اُس آنکھ کو جو نثار کے سوا رفعت کے حُسن پر پڑے ختم۔ اور ہر اُس ہاتھ کو جو نثار کے سوا رفعت کو چھوئے موت کا مزا چکھا دے گی۔

اس پرچے کے پہنچتے ہی اپنی خیریت سے مطلع کرو۔ صرف نثار کی
رفعت

(۱۰)

شاہجہان آباد کے اس محلہ میں جو کسی وقت میں "پنجابی کٹڑے" کے نام سے مشہور تھا اور اب "ہملٹن روڈ" کہلاتا ہے۔ سردار نصرت علی خان" تعلقہ دار اورنگ نگر" کی کوٹھی میں امرا اور رؤسا زرق برق پوشاکوں میں جلوہ گر ہیں۔ زنانخانہ میں چوٹی کی بیگمیں اور چیدہ چیدہ بیویاں موجود۔ بچوں کی کچر دہان، نوکروں کا غل غپاڑہ، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ برات کا انتظار ہے۔ سردار نصرت علی خان مہمانوں کے استقبال کے واسطے خود دروازہ پر کھڑے ہیں۔ برات کے آتے ہی محلہ بھر گونج اٹھا۔ دولھا کی آبائی عزت اور خاندانی وجاہت لاکھ سردار صاحب کی ٹکر کی نہ ہو۔ مگر پھر بھی گو بگڑ چکا تھا۔ لیکن اعظم کا باپ نواب نسیم اللہ خاں پونڈوں کا رئیس تھا۔ آدھے سے زیادہ تعلقہ دار برات کے ساتھ تھے۔ خاطر مدارات ہی میں دو گھنٹے سے زیادہ گزر گئے۔ نکاح کا وقت قریب آیا تو سردار صاحب کی ماں نے انہیں بلایا اور کہا۔

"میں تمہاری بچی کے معاملہ میں آج تک نہیں بولی، ماشاء اللہ تم خود عقلمند اور دنیا کے سمجھنے والے ہو۔ مگر کئی دفعہ بہو سے اور ایک دو دفعہ تم سے بھی کہہ چکی تھی کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں۔ بہتیرا ہی تم کو شروع میں سمجھایا کہ دیکھو نصرت لڑکی ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ خدا کے لئے ان مسوں اور میموں کا آنا بند کرو۔ مگر تم کو کچھ گھمنڈ سے کی چڑھی ہوئی تھی، کیا خاک سمجھتے، نتیجہ یہ ہوا کہ دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی۔ اب نکاح کا وقت آگیا۔ شاباش اس ماں کو جو کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھ گئی اور صد آفریں تجھ باپ کو کہ پلٹ کر پوچھا تک نہیں کہ لڑکی کا اشارہ کیا ہے۔ اب سنا ہی کہ چوتھی کا جوڑا اس نے پھاڑ کر بتی بتی کر دیا اور ساڑھے تین ہزار کا کار چوبی مال مصالحہ کوڑیوں کے دام غارت ہو گیا۔ اب ماما اور خالہ دونوں کی دونوں ہاتھ پیر جوڑ رہی ہیں مگر لڑکی ٹس سے

مس نہیں ہوتی۔ بیٹا آجتک جو نہ ہونا تھا وہ اب ہوگا۔ یہ ہزاروں امیر رئیس "احمد پور والے شیخ" جنہوں نے عمر بھر ناکیں رگڑیں کہ ہماری ایک لڑکی کی پالکی اپنے دروازہ پر اتروالیں، مگر اپنا سامنہ لیکر چپ ہو گئے، اور تمھارے دادا اللہ بخشے وہ شخص جنکی تلوار سے خون ٹپکتا تھا مرتے مر گئے مگر احمد پور والوں کو بیٹی نہ دی۔ اب آج اُن کے سامنے ساری عزت آبرو پر پانی پھر گیا۔ جاؤ دیکھو بیٹی کی کیا حالت ہے اور وہ کیا کہہ رہی ہے"

نصرت علی خاں "میں دیکھ کر کیا کروں گا۔ ذرا ہُوں کی تو دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ آپ خود جائیے اور اس کو سمجھا دیجئے اگر اس وقت میری بات میں فرق آگیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ رافعت پالکی میں ہوگی یا اُس کا جنازہ چبوترے پر۔

(۱۱)

"لیکن دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز رافعت جہاں اگر تم انکار کر دیتیں تو کیا یہ ممکن تھا کہ والدین بالجبر تمہارا نکاح کر دیتے، درحقیقت تمہارا ہی احسان ہے کہ تم نے مجھ جیسے شخص کو جو تمہاری پاپوش کے بھی قابل نہیں یہ فخر عطا فرمایا۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب اس وقت کوئی متنفس نہیں۔ بادشاہ اپنی سلطنت پر وہ ناز نہیں کر سکتا جو میں تم جیسی بیگم پر کر سکتا ہوں۔ تم نے مردہ کو زندہ کیا اور وہ شخص جو دم توڑ رہا تھا اپنی مسیحائی سے اس میں جان ڈال دی"

رفعت "شریفوں کی بیٹیاں والدین کے سامنے کوئی رائے دینے کی مجاز نہیں وہ صرف حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں۔ اُنہوں نے جو کچھ مناسب سمجھا وہ کیا۔ میرا کام یہی ہے کہ وہ کہیں اور میں کروں، آج سے میں بجائے اُن کے تمہاری فرمانبردار ہوں۔ کیونکہ اُنہوں نے تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا"

اظہر "اوہ! اوہ بیگم کیا کہہ رہی ہو، تم فرمانبردار نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا کے واسطے مجھکو شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہارا غلام، تمہارے غلاموں کا غلام للہ تھوڑا سا

دودھ پی لو۔

رفعت: "خیر میں پی لیتی ہوں، مگر تم اپنے واسطے بھی تو لے آؤ، تم پیو گے تو میں بھی پی لوں گی۔"

اظہر: "اچھا میں اور لاتا ہوں، اور تمھارے سامنے پی لوں گا۔"

اظہر دودھ لینے گیا تو رفعت نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور دودھ میں ڈال کر خاموش بیٹھ گئی۔ دودھ آ گیا اور اظہر نے پھر درخواست کی۔ مگر جب رفعت نے کوئی جواب نہیں دیا تو دودھ رکھ کر اس طرح کہنے لگا۔

"اس میں شک نہیں کہ یہ دودھ تمہارے قابل نہیں لیکن مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ تم اس میں سے دو گھونٹ پی لو۔"

رفعت کچھ دیر خاموش رہی۔ یہ کہکر کہ "اچھا، اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو خیر پہلے تم پیو" تازہ دودھ ہاتھ میں لیکر بیٹھ گئی۔ اظہر نے پہلے کا دودھ پینا شروع کیا تو اس نے بھی آبخورہ منھ سے لگا لیا۔ اور جب تک وہ دو ایک گھونٹ پیے۔ اظہر تمام دودھ ختم کر چکا تھا۔

ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ چکر آیا اور گر پڑا۔

"بیگم! نہ معلوم دودھ میں کیا چیز تھی، کلیجہ کٹا جا رہا ہے!"

رفعت: "اے ہے۔ نوج، خدا نہ کرے، کیا کہہ رہے ہو!"

اظہر: "ہائے کیا کروں کسی کو بلاؤ کہ ڈاکٹر کو لائے۔ آغا جان کو جلد اطلاع دو۔"

رفعت: "ایسے بدحواس نہ ہو، دن بھر کے تھکے ہوئے ہو، گرمی کا موسم ہے سر چکرا گیا ہوگا۔ ٹھیرو میں پنکھا جھلتی ہوں۔ اے اللہ مجھ پر رحم کیجیو۔ میں تو پہلے ہی بدنام ہوں۔ اے پاک بے نیاز میری آبرو تیرے ہاتھ ہے۔"

اظہر: "ہائے مر گیا۔ انتڑیاں سب کٹ گئیں ہائے .... ہائے

ہائے ...... ہائے کسی حکیم یا ...... "

رفعت ۔ دروکر" اچھی ذرا تو ہوش میں آؤ۔ اے مولا ان کا بال بیکا نہ ہو۔ ان کی آئی مجھ کو آجائے۔ اے اللہ میری شرم تیرے ہاتھ ہے۔ خدا کے لئے منہ سے تو بولو کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی، ہائے مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ دیکھئے یہ دشمن کیا غضب کرتے ہیں۔ اے اللہ ہماری طرف دیکھ لے اللہ کا واسطہ آنکھ تو کھولو"!

قے ہوئی اور جگر کے تھکتلے کے تھکتلے خون میں لت پت نکل پڑے۔ غریب تڑپتا رہا اور آہستہ آہستہ کہتا رہا " اما جان کو بلاؤ" مگر ظالم نے اُس وقت تک نہ بلایا جب تک بدنصیب اظلیص کی زبان بند نہ ہوگئی۔ اب صرف اس کی آنکھیں کھلی تھیں تڑپ تڑپ کر کروٹیں بدل رہا تھا اور آہ نہ کر سکتا تھا۔ قے کی آواز سنکر ماں دوڑی ہوئی آئی۔ دیکھا تو دولھا بیہوش پڑا چند ساعت کا مہمان ہے اور دلہن سرہانے بیٹھی پنکھا جھلتی دہاروں رو رہی ہے۔

لوگ ڈاکٹر اور حکیم کو دوڑے مگر کوئی بھی نہ آنے پایا کہ نارضامندی کی شادی کا شوہر آغوشِ عروس کی بجائے وہاں قبر میں جا پہنچا۔

مرزفان یہ روح لیکر عالم بالا کو گئے، مگر داروغہ نے یہ کہہ کر جھڑک دیا۔ انسانی دنیا کا معمولی شعبدہ! اس میں کیا رکھا ہے۔ اس سے نمایاں تو اُس عورت ہی کی روح ہوگی جس نے اس روح کو جسد خاکی سے جُدا کیا۔ جاؤ۔ جاؤ۔ ہٹ جاؤ"

(۱۳)

چھٹی روح

"آج آٹھ برس ہونے آئے میرے پاؤں شل میرے پیر چور ہو گئے ہیں۔ آسمانی دنیا میں بھوک پیاس آرام تکلیف سب سے محفوظ تھا۔ ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی۔ ہندوستان سے لے کر سمندر پار تک پھر آیا۔ مگر ہر کوشش بے سود ہے اب صرف اس عورت کی روح کی فکر میں ہوں جس کو داروغہ نے نمایاں بتایا ہے مگر وہ ہٹی کٹی موٹی تازی مزے سے جی رہی ہے

اگر تم اس کی روح قبض کرلو تو بہت بڑا احسان ہو۔"

ملک الموت: "تو بھی جیب بوے گا بونگی ۔ ارے بھائی خواہ مخواہ قبض کسی کی روح کرلوں، اور اللہ میاں کے جوتے کون کھائے، میں یا تو ؟"

مرقان: "بھائی یہ کھوپڑی حاضر ہے۔ ایک کے بدلے بیس مارلو۔ مگر اپنے یار ہو گے تو اس کی روح قبض کرلو گے۔"

ملک الموت: "دیوانہ ہوا ہے۔ یہ میرے بس کا روگ نہیں تو ایک کام کر سنکھیا لے کر اس کو کسی چیز میں کھلا دے۔ روح میں قبض کرلوں گا۔"

(۱۳)

رفعت جہاں!

تمہاری شادی کو ہفتہ بھر سے زیادہ ہوچکا آج دسویں روز تم لکھتی ہو اظہر مر گیا۔ میری طرف سے وہ مرا تو اور زندہ ہے تو میرے بھانویں تو وہ اور تم دونوں ہی مر گئے تم اب میرے کس مطلب کی اور میرا اب تم سے واسطہ کیا۔ تم نے اپنی طرف سے تو یقین دلانے میں کسر نہیں کی اور اس کو ایک بھائی لکھ رہی ہو مگر بات وہ کہو جو عقل میں آجائے۔ میں ایسا بیوقوف نہیں کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکوں، مجھ پر ان دنوں جو گذرتی تھی گزر گئی اور میری تقدیر کا جو صدمہ تھا وہ ہوچکا۔ اب مجھے تسکین ہے۔ میں اپنے خیال میں تو تمہارے چھولوں سے کبھی فارغ ہوگیا۔ اب تمہارا خیال بھی میرے لئے باعث تکلیف ہے۔ اس کے بعد مجھ کو خط نہ بھیجنا اور آئندہ میرا خیال بھی نہ کرنا۔ تمہاری ہی مصیبت کی وجہ سے میں شہر چھوڑ پردیس جا رہا ہوں کہ تم اپنی بے حمیتی سے میرا پیچھا نہ چھوڑو گی اور جب تم نے اظہر جیسے شوہر کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میں کیا توقع کرسکتا ہوں۔

نثار

(۱۴)

جوتے والے کی دوکان پر شام کے وقت بیسیوں آدمی بوٹ، شوز گرگابی، پمپ، ہر
ہیں قسم کا سامان دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا "آپ کے ہاں سنکھیا ہے!"

جوتے والا "کیا چیز جناب؟"

مرقان "سنکھیا؟"

جوتے والا "منوں! کتنی لیجئے گا؟"

مرقان "ایک روح کے قابل"

جوتے والا "تشریف رکھئے۔ پہرے والے ادہر آئیو۔ دیکھ آپ کیا مانگ رہے ہیں"

کانسٹبل "کیا چاہیئے تم کو؟"

مرقان "سنکھیا"

جوتے والا "فرماتے ہیں فقط ایک آدمی کے لائق!"

کانسٹبل "کیوں صاحب؟"

مرقان۔ "ہاں بس ایک روح کی"

کانسٹبل نے ہاتھ تھاما اور کوتوالی میں جاکر پیش کیا۔ تھانہ دار موجود نہ تھے۔ محرّر
نے لکھا پڑھی کرکے حوالات میں داخل کیا۔

مرقان "بھائی یہ کیا کرتے ہو۔ اس میں کیا ہے؟"

کانسٹبل "ابے اندر چل۔ نہیں ایک لات دیتا ہوں"

مرقان اس کی صورت دیکھ رہے تھے کہ کانسٹبل نے ایک لات رسید ہی کردی
اور کہا "چل اندر۔ ابے دوسروں کی روح کی فکر میں ہے۔ پہلے تیری روح قبض ہوگی"

مرقان "آپ دنیوی ملک الموت ہیں؟"

کانسٹبل۔ (قفل لگاکر) "اب دیکھ لیجیو"

مرقان "ایک جگہ مصیبت آئی تو یہ نتیجہ ہوا۔ یہاں دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر سنا ہے کہ کسی دوکاندار سے پوچھنا یا مول لینا گیا نا فرمانی ہے۔ واہ چچا ملک الموت اچھا مروایا"

تھانہ دار نے آتے ہی آسامی کو باہر نکلوایا اور پوچھا کیا نام ہے بے تیرا؟

مرقان خاموش تھے کہ کیا نام بتائیں۔ مرقان کو صرف چند روحوں کی پرواز سے معاملہ پڑا تھا، اور صرف بیماریوں کے نام جانتے تھے، کہنے لگے "میرا نام؟ بخار"

تھانہ دار "بخار! تو بغیر پیٹے باز نہ آئے گا، ٹھیک نام بتا۔ دفعدار ذرا اس سے نام تو پوچھو"

دفعدار نے میاں مرقان کے ایک تو تھپڑ دیا اور دو گھونسے، پھر پوچھا "بتا کیا اصلی نام ہے؟"

مرقان "........ کھانسی لکھ لیجئے"

اب تو تھانہ دار کو بھی غصہ آگیا اور مارے ہنٹروں کے مرقان کی کھال اڑا دی۔

مرقان "اوہ! آہ! ہے، ہو، میرا نام سنکھیا، ایتھر، دوزخ۔ آدمی"

تھانہ دار تھک گیا، اور پھر حوالات کر دیا۔

ملک الموت اپنے دوست کو چاروں طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے، یہاں آکر دیکھتے ہیں تو مرقان حوالات میں بیٹھے ہنٹر کی بدہیاں دیکھ رہے ہیں زور سے ایک قہقہہ مارا اور کہا۔

"پیارے مرقان یہاں اڑے ہوئے ہو"

مرقان "واہ بھائی اچھا پٹوایا"

ملک الموت "اچھا تو باہر آؤ اور آئندہ سے کسی روح کی خواہش قبل از وقت نہ کرنا"

(۱۵)

مرفعت بیوہ ہونے کے بعد چھ سات سال تک ماں باپ کے ہاں مزے سے رہی نشاء کی بیوفائی کا خیال رفتہ رفتہ دل سے زائل ہوگیا۔ امیر کی بچی تھی۔ روپے نے اس کے عیب سب ڈھانک لئے اور ایک متمول رئیس سے شادی ہوگئی پندرہ برس

برس تک نہایت لطف و اطمینان سے زندگی بسر کرتی۔ سات آٹھ بچوں کی ماں بنی۔ بہوویں آئیں داماد آئے۔ اور آخر کار بڑھاپا اور بڑھاپے کے ساتھ موت کا وقت بھی آن پہنچا۔ اب البتہ اس کو اپنے فعل پر ندامت تھی اور اس کا دل اس پر ملامت کرتا تھا۔ رات دن اسی اُدھیڑ بن میں غرقاب رہتی تھی، شوہر بہوئیں بچے داماد سب دلجوئی کرتے مگر اس راز کا جاننے والا سوا اس کے اپنے دل کے کوئی نہ تھا۔ ایک تکلیف تھی جو کسی کروٹ چین نہ دیتی تھی۔ ایک مصیبت تھی جس سے کوئی چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ موت کا خیال آتے ہی تھرّا اٹھتی اور جانتی تھی کہ اب وہاں چلنا ہے۔ جہاں فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ جو رخسار پھول کی طرح تر و تازہ تھے آج وہ جھرّیوں کا ڈھیر ہیں، اور جو آنکھیں بجلیاں گراتی تھیں اب اُن سے گنگا جمنا بہ رہی ہیں۔

وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا
خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گیا پشتِ دوتا باقی

"گنتی کے چند سانس جو باقی رہ گئے ہیں پورے کر لوں اس کے بعد ابدالآباد عذابِ آخرت ہوگا اور میں ہوں گا!"

رونا بےکار اور ندامت بےسود تھی۔ یہ دن بھی گذر گئے اور پرواز روح کا وقت بھی آن پہنچا۔ ڈر بیٹھا ہوا تھا ہیبت طاری تھی۔ سکرات شروع ہوئی۔ دم کسی طرح نہ نکلتا تھا۔ تین دن تین رات اسی حالت میں پڑی رہی، اور پروالے بھی بیزار ہو گئے خدا خدا کر کے روح نکلی، تو صرقان خوشی خوشی لے داروغہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

داروغہ "اُس مظلوم شوہر کی روح سے یہ ظالم کچھ ہے تو سہی کہ اس کے اعمالنامے میں کوئی بات ملتی ہے مگر نہ ایسی کہ بیڑا پار ہو جائے!"

---

(۱۶)

ساتویں روح

جب قیصرہ کا وہ حُسن جس کا سکہ کُنبہ بھر میں بیٹھا ہوا تھا، ڈھلنا شروع ہوا تو احمد جس کی محبت شہر بھر میں مشہور تھی۔ طوطے کی طرح دیدے بدلنے لگا۔ دو چار دن کی آئی لگائی نہ تھی۔ نو برس کی گھر پتن بر بتن بیاہی تھائی۔ پانچ بچوں کی ماں مگر تقدیر کی خبر نہ تھی کہ بڑھاپے میں یوں مٹی پلید ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ اس کا انقلاب حسن عبرت خیز تھا یا نہ تھا مگر تعجب انگیز ضرور تھا۔ کم بخت اٹھائیسویں سال بڑھیا ہوگئی۔ نزلہ کی مریض تھی۔ دانتوں نے جڑیں چھوڑیں۔ سر دیکھو تو لٹیں کی لٹیں سفید بھک، اس پر پانچ بچوں کی پرورش ایک گود میں ایک پیٹ میں ایک سینہ پر، ایک ٹانگوں پر، غرض وہ مثل اصل ہوگئی کہ بیبی اور کھیسی لیکن ساٹھا اور پاٹھا بھی غلط نہ نکلا، احمد بڑھاپے میں جوان ہوا۔ اٹھارہ برس بڑا تھا مگر آنکھیں کچھا اور ڈھونڈھتی تھیں۔ بیوی کو دیکھا تو وہ اللہ کی بندی آٹھ آٹھ دن کپڑے نہ بدلے، چار چار دن سر نہ گوندھے، بچوں میں غرقاب کسی چیز کا ہوش نہ کسی شے کی خبر، شروع شروع میں احمد نے اپنی طبیعت کا اظہار نہ کیا۔ مگر نو برس ساتھ رہی تھی، عادتوں سے آشنا، مزاج سے باخبر، تیور دیکھتے ہی پہچان گئی۔ مگر پی گئی۔ احمد جس نے نو برس تک مغرب کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا اب وہاں سے بارہ بارہ اور دو دو بجے رات کو آتا اور پڑ رہتا۔ گھر اس کو جیل خانہ، بچے اس کو زہر بیوی اس کو دشمن معلوم ہوتی!

قیصرہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی نہ کرتی۔ بچے سو جاتے۔ انگیٹھی آگ اور کھانا لئے بیٹھی رہتی جب شوہر آ جاتا اس کو کھلا دیتی تو خود بھی پیٹ بھر لیتی۔ احمد کی اس بے التفاتی کا خیال دن بھر تو اس کو بچوں کی ریں ریں میں آ ہی نہ سکتا تھا۔ ہاں رات کو عالم تنہائی میں اکثر سوچتی تھی اور بالخصوص کھانا کھلاتے وقت جب سامنے بیٹھتی اس کا منہ تکتی اور

وہ بات تک نہ کرتا۔ تو دل ہی دل میں اتنا ضرور کہتی کہ کیا خدا کی شان ہے۔

قیصر اگری بڑی عورت نہ تھی اصل نسل سیدانی۔ راجہ کمال پور کی حقیقی بھانجی، اور کمال پوری سیدانی توبہ، اگر اڑتی ہی خبر سن پاتے تو احمد کی تکا بوٹی کر دیتے۔ مگر احمد کی آنکھوں پر تو کچھ ایسی پٹی بندھی تھی کہ بالکل چراغ پاؤں ہی ہو گیا، تاک میں تو عرصہ سے ہی تھا۔ اتفاق کی بات شہر میں ایک قحبہ آئی۔ چاروں طرف جال پھیلایا میاں احمد کو بھی خبر ملی۔ اُن کے پھانسنے کے بھی ڈورے ڈالے، جو بندہ یا بندہ۔ ملاقات کا وقت مقرر ہوا۔ اور رات کے نو بجے احمد اس قحبہ کے گھر پہنچے۔

یہ حسینہ جس کا نام بیگم تھا۔ چالیس برس سے کم عمر کی عورت نہ ہوگی۔ رنگ گورا تھا مگر جھرّیاں پڑی ہوئی۔ بدن لاکھ کسا ہوا تھا مگر ڈھیلا پڑ چکا تھا سب سے بڑی جیت اس کا اس چیز سے محروم ہونا تھا جو بہو بیٹیوں کو اولاد کی پیدائش اور سلامتی سے برباد کر دیتا ہے۔

احمد پہنچے تو ستارہ پردہ میں بیٹھی۔ مگر اس طرح کہ گورے رنگ کی جھلک احمد کی اندھی آنکھوں کو لوٹ پوٹ کر گئی۔

بیگم کے ماموں "نواب صاحب تقدیر کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ بیگم جس کے دروازے پر دس دس گھوڑے بندھے ہوئے تھے آج اس لائق ہے کہ آپ غیر مرد ہو کر اس سے بات کر رہے ہیں، (رو کر) دیکھئے خدا کیا دکھاتا ہے۔ میں اس وقت کے واسطے ہی زندہ رہ گیا تھا ہم کابلی مغل ہیں۔ ہماری بیٹیاں آج تک سیدوں میں نہ گئیں، اور فقط یہ ہی ایک ضد تھی ورنہ ڈیڑھ لاکھ کا مہر نقد کمال پور والے باندھ رہے تھے"۔

احمد "ماموں صاحب! آپ کچھ نہ فرمایئے۔ دل کو تسکین دیجئے اللہ مالک ہے میں کسی قابل نہیں ہوں، چار سو روپے ماہوار کی جائداد ہے یہ حاضر ہے"۔

ماموں "ہاں جناب سچ ہے۔ دو ڈہائی ہزار پر نہ ٹھو کا اب جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا ہم تو یہاں اس لئے ٹھہر گئے تھے کہ ابراھیم علی شاہ کے مزار کی زیارت کر لیں۔ کل چلے

جائیں گے۔"

احمد کو تاب کہاں تھی۔ منت کی۔ خوشامد کی۔ ہاتھ جوڑے اور بیگم پچیس ہزار مہر پر احمد کے نکاح میں آ کر اس محلسرا میں جو قیصرہ کے جہیز میں ملی تھی داخل ہو گئیں۔

معصوم بچے اس قابل نہ تھے کہ بدنصیب ماں کو اس صدمہ میں کچھ مدد دیتے کھانے کا انتظام بیگم کے سپرد ہوا اور یہ چار سو روپے کی آمدنی جو قیصرہ کی ذاتی جائداد کی تھی بیگم کے ہاتھ میں جانے لگی۔ اگر لونڈیوں ماماؤں کی طرح بھی بیگم ہاتھ اُٹھا کر دیدیتی تو قیصرہ شریف بیٹی تھی صبر کرتی اور رہ لیتی۔ مگر اس کم بخت نے تو یہ غضب کیا کہ قیصرہ کی جانی دشمن ہو گئی۔ اور بچوں کے خون کی پیاسی۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ احمد کے آنے سے پہلے سنگدل کلیجہ کے درد کا بہانہ کر کے پلنگ پر لیٹ رہی۔ احمد نے آ کر دیکھا تو بیتاب ہو گیا۔ بہتیرا پوچھتا ہے مگر مکار خاک کچھ نہیں کہتی۔ بڑی مشکل سے کہا۔

"اللہ کے نام کی برکت خالی نہیں خالی جاتی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ماموں جان میری جان کے دشمن ہیں اور مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔ ہر وقت کے تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے! دیکھ لو کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے۔ اگر میں بچ گئی تو اتنا احسان کرنا کہ میکے بھجوا دینا۔ صبح ہی کو دہلیز میں سے کلیجی کی بوٹی پڑی ہوئی ملی ہے۔"

رات کے دس بج چکے تھے احمد غصہ میں باؤلا اور رنج میں پریشان ہو رہا تھا حکم دیا کہ قیصرہ ابھی اس گھر کو خالی کر صدر والے مکان میں چلی جائے۔

رات آدھی کے قریب آ گئی۔ تقاضے سخت ہوئے۔ نو برس کے بچے سے کہا "اپنے آبا سے کہو ڈولی لا دیں۔"

احمد "اس وقت ڈولی نہیں مل سکتی۔ صدر کچھ دور نہیں ہے۔ بڑے میاں جا کر پہنچا دیں گے۔"

تارے قدرت کے اس کھیل پر ہنس ہنس کر غائب ہو رہے تھے۔ دو بجے کے قریب

قیصر برقع اوڑھ بچوں کو گود میں اور ساتھ لے، تین کوس کے فاصلہ پر بھرا گھر چھوڑ چھاڑ روانہ ہوگئی۔

دن صاف نکل گیا، اور رات سر پر آپہنچی، مگر معصوم اور بدنصیب بیوی کے منہ میں کھیل کا دانہ اڑ کر نہ گیا۔ مغرب کے وقت قیصر نے ایک چھلّہ جو ماں کی نشانی تھا بڑے بچّہ نصیر کو جس کی عمر سات برس سے زیادہ نہ ہوگی دیا اور کہا۔

"اس کو بیچ کر آٹا لے آؤ"۔

بچہ لے کر گیا۔ صرافوں کی دکان سے ناواقف تھا۔ چاروں طرف پھرا۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ملا کہ اس کا کام کر دیتا۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے دیکھتا اور تکتا سونے کا چھلّہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ میں پانی بھر آیا۔ روپیہ اس کے ہاتھ پہ دھرا اور چھلّا لے چلتا ہوا۔ نصیر کو دیر ہوئی تو ماں ماتا کی ماری دروازے میں آکر کھڑی ہوئی۔ دل میں ہزاروں وہم آتے تھے۔ کبھی کہتی تھی کوئی پکڑ کر لے گیا۔ کبھی خیال آتا تھا کہ کسی نے گلا گھونٹ دیا ہوگا۔ کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر بے تابانہ دوڑتی تھی مگر پھر پلٹ آتی تھی۔ نیا محلہ، پہلا روز، کس سے پوچھتی۔ کلیجے پر گھونسے مارے اور کہا۔

"اے کم بخت پیٹ کیا غضب کر دیا۔ کیا کروں کہاں جاؤں" پیٹ پکڑے انگنائی میں آئی۔ اوپر دیکھتی اور کہتی۔

"اے مولا میں قربان میرا بچّہ صحیح سلامت آجائے"۔

دس بجے کی توپ چل چکی تھی کہ نصیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ دوڑ کر اس کی بغل میں سے آٹے کی پوٹلی لی۔ اور گود میں اٹھا کر پیار کیا اور گھر میں لائی۔ جلدی جلدی آٹا گوندھا بچے چار پہر کے بھوکے تھے۔ روٹی کھلائی اور اللہ کا شکر کرتی ہوئی، سب کو کلیجے لگا، زمین میں پڑ رہی۔

---

(۱۷)

"اس میں کیا ہرج ہے کہ اب تم مجھ کو میرے میکہ پہنچا دو"

احمد: بیگم! قیصرہ اور اس کی تمام اولاد تم پر سے قربان کر دوں۔ تم کیوں ایسی باتیں کرتی ہو۔ تم کو میرے کہنے کا یقین نہیں ہے۔ جو کہو وہ کر کے دکھا دوں۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ سب کے سب کم بخت مر جائیں۔ مگر غارت بھی تو نہیں ہوتے۔ تم کو سب سے زیادہ تکلیف نصیر سے پہنچتی ہے میں اسی کم بخت کو دنیا سے کھو دیتا ہوں"

اتنا کہکر احمد اٹھا اور سیدھا یہاں پہنچا۔ قیصرہ میاں کی صورت دیکھتے ہی سہم گئی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ گھر میں پان نہ تھے کہ بنا کر، حقّہ نہ تھا کہ بھر کر اس کے سامنے رکھتی۔ بچے باپ کی صورت دیکھتے ہی لپٹ گئے۔ مدتوں کے ترسے ہوئے تھے عید ہو گئی۔ احمد کے ہاتھ میں حلوا تھا۔ نصیر کو کھلایا اور کچھ دیر بیٹھکر چلنے لگا تو قیصرہ اٹھکر سامنے آئی اور کہا۔

"مجھے تم سے شکایت نہیں۔ قدرت کے قانون یہی ہیں۔ میری صورت اس قابل نہیں رہی کہ تم کو اپنی طرف مائل کر سکتی۔ مگر اپنی عنایت سے اور کرم سے میرے قصوروں کو معاف کر دو"

احمد نے اس کا جواب نہ دیا اور چلا گیا۔

رات کے بارہ بجے تھے کہ نصیر گھبرا کر اٹھا، اور کہا۔

"اماں جان ہائے کیا کروں میرے کلیجے میں کوئی چھریاں بھوک رہا ہے"

اٹھا کہ دست آئے۔ خون کی قے ہوئی اور ایک دو گھنٹے میں سات برس کا بچہ قیصرہ کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک ڈھنڈار گھر میں جہاں چار بچوں کے سوا آدمی نہ آدم زاد، قیصرہ سات برس کے پہلوٹھی کے بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے! بچہ بیہوش پڑا ہے۔ آوازیں دیتی ہے چیختی ہے۔ چلاتی ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں

سے لگاتی ہے اور کہتی ہے :

"اے کم بخت تقدیر، کیا دکھاتا ہے۔ میری سات برس کی کمائی، میرا پھلہ واسا لال، میرے کلیجے کا ٹکڑا، اے مولا میرا نصیبہ، میرا بچہ، میرا دولھا، میرا چاند، اے مولا، اے مالک! اس سے پہلے مجھکو موت، سب سو گئے، تو سنتا ہی سب چھوڑ گئے تو دیکھ رہا ہے۔ بے گناہ ہوں"

بدنصیب کا بچہ اُٹھا اور کہا۔

"ہائے اماں ابا جان کا حلوا کڑوا تھا"

سنتے ہی ایک گھونسا سا لگا۔ کہنے لگی۔

"ہائے ڈاکٹر کے ہاں کون لے جائے حکیم کو کون دکھائے۔ ہاتھ پاؤں نیلے ہو گئے۔ صدقے ہوں۔ قربان ہوں۔ آہ زندگی کیا دکھا رہی ہے"

اب بچہ پھر اُٹھا مگر اُٹھا نہ گیا۔ چند لمحہ سر دُھنا اور تڑپ تڑپ کر رخصت ہوا۔ چہرہ کو غور سے دیکھا اور یہ کہہ کر ایک چیخ ماری۔

"ہاں میاں نصیبہ بدنصیب ماں کا فاقہ بھی تڑوا گئے اور آٹا لا کر روٹی پکوادی"

(۱۸)

قاضی۔ "آپ فرمایئے آپ کی شہادت کیا ہے۔ کیا واقعی اس بچہ کے قتل کا باعث یہی عورت ہے؟"

احمد۔ "بیشک یہ بچہ میری دوسری بیوی بیگم کا تھا۔ اس کم بخت قیصما نے جواب شرمیلی بنی، چادر سے منہ سر چھپائے کھڑی ہے اس کو زہر دیا۔ ہر وقت اس کو کھلاتی رہتی تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ محبت کرتی ہے۔ مگر کیا خبر تھی کہ یہ ایسا غضب ڈھائے گی۔ اس نے زہر دیا اور صرف اس لئے کہ سوکن کا بچہ تھا"

شوہر کی شہادت پر قاضی نے موت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور کاغذات بغرض

منظوری امیر کی خدمت میں بھیجدیئے گئے تاریخ مقررہ پر قیصر امیر کی خدمت میں پیش ہوئی۔

امیر:" کیا واقعی تو اس بچہ کی قاتل ہے ؟"

قیصر:" بیشک ہوں۔ اس لئے کہ میرے شوہر کا بیان ہے "

امیر:" تو نے کیوں معصوم کو زہر دیا ؟"

قیصر:" اسی لئے، جو میرا شوہر کہتا ہے۔ کہ سوکن کا بچہ تھا "

امیر:" کل تجھے پھانسی دی جائے گی۔ کوئی آخری آرزو ہے "

قیصر:" گنہگار ہوں خدا کی، اور شوہر کی، خدا سے رات بھر التجا کروں گی کہ معاف کردے، شوہر سے آپ سفارش کیجئے کہ وہ مجھ سے ناخوش ہے۔ اس آخری وقت میں میرے قصوروں سے در گزر کرے "

امیر:" تیری صورت پر رحم آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں "

قیصر:" میرا شوہر اس سے خوش نہ ہوگا۔ اس لئے میں بھی خوش نہیں ہوں "

امیر نے اپنے ہاتھ سے مشکیں کھول دیں اور کہا۔

" جا اپنے گھر جا۔ مجھے سب معلوم ہے "

قیصر اس رہائی سے زیادہ خوش نہ تھی۔ گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی حالت قید میں دوسرا بچہ عرفانی دنیا سے اُٹھ گیا۔ اکرامی اور نصرت یہ دو بچے اس گھر میں پڑے پڑے رات کو صبح اور صبح کو شام کردیتے۔ محلہ کے لوگ اُن کی حالت پر رحم کرکے دونوں وقت کھانا پہنچا دیتے تھے۔ نصرت پانچویں برس میں تھا اور اکرامی چوتھے برس میں۔ کیسا نازک وقت ہوگا کہ سنگدل باپ ایک شہر کے شہر دنیا بھر کے مزے اڑا رہا تھا اور یہ دو خدا کی زندہ مخلوق معصوم جن کی بے گناہ ماں جیل خانہ میں تھی۔ ٹٹروں ٹوں اس گھر میں پڑے ہوئے تھے۔ ماں کی صورت دیکھتے ہی دوڑ کر

لپٹے کلیجے سے لگایا روئی۔ چھاتی پر لٹایا۔ آنسو نکلے۔ دونوں کو لئے بیٹھی تھی کہ نصرت نے کہا۔

"اماں بی۔ عرفانی بھائی کو سفید سفید کپڑے پہنا کر سلا دیا اور کھٹولے پر لٹا کر لے گئے۔ چلو اب اُن کو جگا لاؤ۔"

بچے کو پیار کیا۔ کلیجہ نکل پڑا اور یہ کہکر بے ہوش ہو گئی۔

"عرفانی میاں قیدن ماں سے ملکر بھی نہ گئے! کیوں میاں خفا ہو گئے! ہاں ہاں اس لئے کہ باپ دادا کی ناک ماں نے کاٹ دی۔ ماں کی صورت نہ دیکھی! اچھا میاں اچھا سوؤ۔ بیٹا سوؤ جنگل میں سوؤ۔ آرام کرو!!"

بیگم کے دل میں قیصر کا کانٹا ایسا گھسا تھا کہ کوئی لمحہ اس کے اُجاڑنے سے غافل نہ ہوتی۔ دن رات یہ تسبیح تھی اور رات دن یہی ذکر۔ بیس سیر گیہوں اور دس سیر دال ماہوار بھیجا کرتی۔ مگر یہ بھی گوارا نہ تھا۔ ٹھیک دوپہر کا سنسان وقت تھا کہ ایک روز بیگم پالکی میں سوار ہو کر قیصر کے ہاں آئی۔ بدنصیب قیصر کے یہاں کیا رکھا تھا۔ پھر بھی تعظیم کو اُٹھی اور یہ سمجھ کر کہ احمد ناخوش نہ ہو جائے اس کو سلام کیا۔ احمد اس کے جلو میں حاضر تھا۔ نصرت سے کہا "بیگم صاحب کو سلام کرو۔"

بچہ بچہ ہی تو تھا ضد آگئی سلام نہ کیا۔ بیگم بولی۔

"دیکھو سانپ کے سپولے ہی ہوں گے۔"

احمد کو کہاں تاب تھی بید ہاتھ میں تھی پانچ سات سٹراسٹر ایسی ٹکائیں کہ خون نکل آیا بیگم ہنستی رہی۔ قیصر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دیکر آنکھیں بند کر لیں۔ جب یہ دونوں چلے گئے، تو دیکھا بچہ بیہوش پڑا ہے۔ روتی ہوئی آئی۔ زخموں پر منہ رکھ دیا اور کہنے لگی

"ایک بدنصیب ماں کے کارن باپ کی یہ مار بھی کھالی۔"

دکھیاری کے گھر میں کپڑا کہاں تھا۔ دوپٹہ پھاڑ کر دھجیاں پانی میں بھگو بھگو کر اس کا

خون پونچھا اور کلیجے سے لگا کر پڑی۔

اب انتہائے مصائب نے قیصرہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ نصیر اور عمر فانی کی موت ایسی نہ تھی کہ قیصرہ سنبھلی رہتی۔ کلیجے میں گھونسے لگتے۔ آنکھوں میں اندھیرا آتا۔ دل میں ہوکیں اٹھتیں چیخیں مارتی اور دروازے پر چلی جاتی۔ پھر لوٹتی سجدے کرتی۔ روتی گڑگڑاتی اور دعا کرتی

"رحم اے مولا رحم"

زندگی کی کل کائنات اور دنیا کا کل اثاثہ اب دو بچے اکرامی اور نصرت تھے ان کو دیکھتی اور روتی، رات کو جب دنیا عالم خواب میں ہوتی تو نصرت سے لپٹتی اور کہتی "مجھے احمد کی کیا پرواہ ہے اللہ میرے اس شوہر کی عمر دراز کرے۔ میرا شوہر تو یہ ہے اس کی دلہن لاؤں گی، گھر والی بنوں گی۔ دکھیاری کا لال ساری کسر نکال دے گا" دفعتہً گھبرا جاتی اور سوچتی "ہائے کیسے کیسے پھول ہری ہری کونپلیں سامنے سے اٹھ گئیں۔ ٹوٹ گئیں، نصیر، عمر فانی، دونوں ہائے دونوں کلیجہ اجاڑ گئے۔ خیر الہٰی شکر، شکر"

ظالم کا ظلم اور سنگدل کی جفا کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی، گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ اب اطاعت کی حد ہو گئی۔ چچا اور ماموں دونوں زندہ بیٹھے ہیں، چلی جاؤں۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا۔ "کیوں قیصرہ سادات کے خون کا دھبہ قیامت کے دن تیری گردن پر ہوگا۔ باپ دادا کی عزت تیرے ساتھ اور بڑوں کی لاج تیرے پاس ہے۔ دنیا فانی۔ کواری کا عیش نہ رہا۔ بیاہی کی خوشیاں نہ رہیں۔ سوکن کا جلاپا رہنے والا نہیں، احمد مالک ہے۔ آقا ہے۔ مجازی خدا ہے" خوش رہے آباد رہے کنیز ہوں لونڈی ہوں جس طرح رکھا ہے اور جس طرح رکھے گا رہوں گی"

اکرامی کی طلبی کا حکم پہنچا، سہم گئی کہ وہ باپ جو ایک بچہ کو اپنے ظالم ہاتھوں سے زہر دے چکا۔ اس مینا کی گردن توڑ دے گا۔ ارادہ کیا کہ انکار کر دے مگر پھر سوچا "بچے اس کے ہیں میں کون ہوں۔ ماننا ہے ہو۔ مالک وہ، باپ وہ میں کون" بچی کو نہلایا، دھلایا۔ پھٹے پرانے کپڑے جوڑ جاڑ۔ رنگ بدلا۔ پہنا پہنو تیار کیا۔ سامنے کھڑی ہوئی تو مینا کہنے لگی۔

"بس تو آما ہم جاتے ہیں لو پیار کر لو"

دل بگڑ رہا تھا۔ اتنا سنتے ہی بیتاب ہو گئی۔ گود میں اٹھا لیا اور کہا

"اچھا بی بی جاؤ خدا حافظ"

اکرامی کی داستان مصیبت نہایت جگر خراش ہے۔ ستم شعار بیگم جس کے پہلو میں دل نہیں پتھر تھا۔ نت نئے ظلم پانچ برس کی جان پر توڑتی، سالن کی بھری بھری پتیلیاں ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھا کر، اور آگ کی لبالب انگیٹھیاں باورچی خانہ سے بھر کر لاتی بارہ بارہ بجے رات تک بیگم کے پاؤں دباتی اور نماز کے وقت اٹھا دی جاتی کہ آگ سلگا دے یہ وہ وقت تھا کہ دو بچے مر کر اور ایک جیتے جی، قبیصہ سے چھوٹ چکے تھے اور فلاں ایک بچہ نصیحت کو وہیں رہ گیا تھا۔ رات کو ایک دن اتنے عرصہ بعد احمد کی بیوفائی کا خیال آیا۔ دل سے کہنے لگی۔ انقلاب حسن کی میں ذمہ دار نہیں ہوں قدرت کے انتظام بھی ہیں اور اگر عقل سلیم ہے تو ہر تغیر کا بار احمد کی گردن پر ہے۔ سمجھدار ہوتا تو قدر کرتا، غور کرتا سمجھ جاتا۔ مگر ہائیں مجھے یہ کہنے کا کیا حق، وہ مالک ہے، آقا ہے۔ شوہر ہے جو کیا خوب کیا۔ جو کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ اکرامی کی یاد کلیجہ تڑپا رہی ہے۔ کیونکر دیکھوں۔ یہ نہیں اڑ کر جاؤں"

یہ پتہ ہم کو نہ چل سکا کہ اکرامی کی شرارت تھی یا قبیصہ کی بدبختی۔ بہر حال ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ اکرامی بخار میں ہلہلاتی ماں کے پاس بھیج دی گئی۔ بچی کو مطلق ہوش نہ تھا۔ اور اب قبیصہ بھی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کو زیادہ احساس نہ تھا البتہ گم سم تھی۔ ایک خیال تھا کہ آتا تھا اور وہ یہ تھا کہ دیکھئے اکرامی کیا صورت دکھاتی ہے۔ دن کے دو بجے ہوں گے، بچی نے آنکھ کھول کر ماں کو دیکھا بت بنی بیٹھی تھی۔ اور ضبط کر رہی تھی۔ مگر مامتا نے کلیجے کو چیر ڈالا۔ جھپٹ کر ہاتھ اٹھا گلے میں ڈال لئے۔ بچی نے پانی مانگا۔ لینے گئی تو پانی کی بوند مٹکے میں نہ تھی، یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"شکر ہے"

بچی رہنے والی نہ تھی ماں کی گود خالی کر گئی۔ یہ وہ موت تھی جس نے قیصرہ کے خیالات کو تبدیل کر دیا۔ رات کا آنا تھا کہ بچے کو گود میں لے کر باہر نکلی اور احمد کی طرف چلی، نکڑ پر پہنچی تھی کہ ایک شخص دکھائی دیا جس کی صورت بالکل باپ کی تھی۔ اُس نے ڈانٹا اور کہا۔

"قیصرہ کیا غضب کرتی ہو۔ یہ بیٹیاں سدا رہنے والی نہیں، باپ دادا کی پاک روحیں تیرے صبر و تحمل کو دیکھ رہی ہیں۔ جا گھر میں بیٹھ اور شکر کر۔ قیصرہ بات جب ہے کہ شوہر کی اطاعت میں فرق نہ آئے، اور لطف یہ ہے کہ راضی بہ رضا اس سے رخصت ہو۔"

آدمی آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ سہمی، ڈری، بچہ گود میں تھا۔ لوٹی اور گھر آئی، وضو کیا۔ نماز پڑھی لیٹی تو نصف رات خاصا بھلا چنگا۔ ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا، ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری

"اللہ اللہ ایک بھی نہ رہا"

قیصرہ میں کچھ نہ تھا، روح نے عالم بالا کو پرواز کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ خدا نے ہزاروں ارمانوں اور منتوں سے بیگم کو بیٹا دیا۔ آج اکرم کا چلہ تھا اور سینکڑوں روپے کی ریل پیل ہو رہی تھی۔ مرافقان اس روح کو لے کر عالم بالا کو جا رہا تھا کہ مرافقان سے اجازت لیکر قیصرہ ٹھٹکی۔ ٹھیک اس وقت جب بیگم کی خدمت میں احمد دست بستہ حاضر تھا یہ آواز آنی شروع ہوئی۔

ہو خضر کی عمر احمد کو عطا   ہشاش رہے دل شاد رہے
اس چندر کی جوت، اُتر دلہن،   یہ تیری سبھا آباد رہے
اکرم سے بڑوں کا نام چلے،   اس لال سے لاکھوں کھیڑے
سنسار میں دھوم اس لال کی ہو،   اقبال کے ہوں در پہ ڈیرے
بیگم سے بڑی ہیں، بیلیں تیری،   سکھ چین کی ہوں ہر دم گھڑیاں
دن رات سماں یہ عیش کا ہو،   دولت کی پڑیں تجھ پہ جھڑیاں

ٹکڑے کی تیرے شیدا لونڈی، قدموں کی تیرے بھوکی قبضہ
اب تیرے دوارے آئی ہے کچھ، رحم کی اس پہ ہوئے نظر
حق دار نہیں، بھکیارن ہوں منتی ہے مری کچھ زور نہیں
بپتا کے ہیں دو انچھر میرے کچھ جھوٹ نہیں غل شور نہیں
تنگی بھی رہی فاقے بھی کئے سب درد سہے بپتا جھیلی
چادر نہ ملی پنکھا نہ جھلا سب بیت گئے جاڑا گرمی
فاقوں پہ پڑے فاقے پیہم اک دانہ صبح و شام نہ ہو
عرفان کے دانت سے دانت بجیں گھر بھر میں روٹی کا نام نہ ہو
شربت کو ترستی اکرامی اس گود میں ماں کی دم توڑے
صورت کو پھڑکتا عرفانی، ما قید میں ہو دنیا چھوڑے
ماں باپ کی مجھ سے لاج گئی پردہ ٹوٹا وہ آن گئی
آئی نہ زباں پر اُف لیکن سچ کہہ احمد! قربان گئی
لے ہاتھ اٹھا، کرپا کر تو، دے آج تصدق اکرم کا
کچھ نیگ نہیں کچھ جوگ نہیں بس صدقہ اُترن بیگم کا
ہو یاد اگر نصرت پیارا، بیدردی سے تھا جس کو مارا
بے گور و کفن ہے گھر میں پڑا کیا درد بھرا ہے نظّارہ
کیا کیا نہ ستم توڑے ہیں نے کیا کیا نہ غضب اور قہر کیا
سادات کی لاج گنوا کے چلی ایک لال کو اپنے زہر دیا
دنیا میں نہ تھا حامی کوئی شاہ پر اک قدرت والا
اندھیارے کا دکھ ہارا وہ نیتن والا عزت والا
دربار بڑا سرکار بڑی بیکس کی حمایت سنے گا وہ

جن آنکھوں نے دیکھا حرف بحرف قیصرا کی شہادت دیگا وہ

جانے دو چلو سب ٹھیک سہی اس صبح کی آخر شام تو ہے
قیصرا کے کلیجے کا ٹکڑا کہنے کو تمہارا نام تو ہے

ہے نام کی لاج ابھی باقی ٹھیری ہوں فقط اتنے کارن
عزت پہ لگے گا دھبہ یہ گر اس کو ملا غیروں کا کفن

وہ جان کی قسمیں لاکھوں ہی وہ قول و قرار امید واثر
بچپن کی کتھا گر ذہن میں ہو گھونگٹ کے ہوں وعدے یاد اگر

ان سب کے حوالے دیتی ہوں تو اتنی پرتپاسن سے میری
اٹھوا دے مرا بچہ، احمد! لونڈی تیری چیری تیری

لونڈی کا تری بچہ نصرت! معصوم کا مردہ ہے احمد
بیدوں سے پٹا ہاتھوں سے کٹا مظلوم کا مردہ ہے احمد

قیصرا کی صدا پکار رہی، اچھا رخصت حافظ ہے خدا
کہلاتی تھی بیوی، جیسی بھی تھی، کر معاف مری اب ساری خطا

تو دونوں جہاں میں شاد رہے، جاتی ہوں میں اب دل صاف کیا
جو تو نے کیا وہ خوب کیا۔ آباد رہے سب معاف کیا

اِک جلوۂ فسانی تھا احمد! بہتر نہ رہی بدتر نہ رہی
وہ دن نہ رہے راتیں نہ رہیں بچے نہ رہے قیصرا نہ رہی

صدا کے شروع ہوتے ہی شادی کے گھر میں جہاں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی ایک سناٹا چھا گیا، احمد کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا "قیصرا نہ رہی" کہتے ہی صدا ختم ہو گئی۔

اور اس کے ساتھ محلہ والوں نے دونوں ماں بیٹوں کی خبر موت پہنچائی ۔ بیوی کے ابتدائی حالات، اس کی مصیبتیں، اور صبر و تحمل، اپنا ظلم اس کی بے گناہی، سب باتیں یاد آگئیں، تڑپتا ہوا اوپر گیا کہ کہیں نظر آجائے تو قصور معاف کراؤں۔ مگر کیا رکھا تھا۔ گھر آیا، تو نصرت چارپائی پر اور پٹی کے نیچے زمین پر قیصرا کا جسد خاکی پڑا ہوا تھا۔ پھٹے ہوئے میلے کچیلے کپڑے تھے۔ مگر چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

صرافان لاکھ انسان نہ تھا مگر قیصرا کی صدا نے دل پگھلا دیا، پہنچا تو بات نہ نکلتی تھی۔ دارو غہ نے دور سے آفریں مرحبا کی صدائیں قیصرا کی پاک روح تک پہنچائیں اور صرافان سے کہا۔

”یہ روح بیشک وہ روح ہے جس پر نہ صرف نسوانی دنیا ناز کرسکتی ہے، بلکہ ”کمال پور“ کے سید جس قدر فخر کریں کم ہے۔ اس سے پہلے کی چھ روحیں کہنے کو گندی تھیں۔ مگر تمہارا مطالعہ قابل داد ہے کہ ان سے بھی کام کی باتیں پیدا ہوئیں۔

پہلی دو روحیں دنیا والوں کو بتا رہی ہیں کہ خوف خدا سے لرزنے والے گنہگار، شقی القلب گندم نما جو فروش ریفارمروں سے بہتر ہیں۔

تیسری اور چوتھی یعنی حسینہ و مخیرہ کی روحیں سبق دے رہی ہیں کہ تعلیم کے نقص نے قدرت کی ایک ہی مخلوق میں کیسا فرق کر دیا۔ ناقص اور ادھوری تعلیم جو برائے نام تھی بالآخر حسینہ کی بربادی کا باعث ہوگئی۔ چونکہ دنیا کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھی، مکار کے جل میں آگئی اور عصمت کھو بیٹھی۔ اگر تعلیم کا پورا انتظام ممکن نہ تھا تو اس کا بھروسے ہی میں پلنا ٹھیک تھا۔ اس کے مقابلہ میں مخیرہ با وجود یکہ خود فریفتہ تھی مگر دنیا سے اچھی طرح باخبر اور نتیجہ سے پوری آشنا، جذبات کو دبا گئی اور ثابت کر دیا کہ اگر تعلیم اور صحیح خیالات کو درست کر دیں

تو عورت اس طرح اپنی خواہشوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

پانچویں روح نارضامندی کی شادی کا کھلا ہوا نتیجہ ہے، اور عبرت ہے اُن والدین کے واسطے جو یہ سمجھ کر کہ لڑکی یہاں خوش نہیں زبردستی دھکیل دیتے ہیں۔

چھٹی روح کے کارنامے کا ہر حرف یہ پتہ دے رہا ہے کہ کسی مذموم فعل کے ارتکاب کے بعد خود انسان کا اپنا نفس اس پر ہمیشہ ملامت کرتا ہے اور دنیا کی کوئی خوشی اس جرم کی تلافی نہیں کر سکتی۔

یہ **ساتویں** وہ روح ہے جس کے واسطے آج جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، سیدانی جس نے سادات کی لاج اور بزرگوں کی شان میں فرق نہ آنے دیا اس میں ہمیشہ راج کرے گی۔

تمہارا قصور معاف ہوتا ہے جاؤ اور اس پاک روح کو جس کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوئی اس باغیچہ میں چھوڑ دو جس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔

صٰلحٰت

نیک بیبیاں

یہ افسانے سنہ ۱۹۱۵ء میں رسالہ خطیب میں شائع ہوتے ہی کتابی صورت میں شائع ہوئے تھے حضرت مصنف مرحوم کی زندگی میں یہ کتاب سات دفعہ چھپی تھی۔

نام اور مضمون اس کتاب کا نام اور مضمون پریس ایاکٹ کے علاوہ انڈین کاپی رائٹ ایکٹ اور مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعات ۴۸۴ و ۴۷۹ کے ماتحت بھی رجسٹرڈ کرایا گیا ہے لہٰذا کوئی صاحب اس کے نام و مضمون سے فائدہ اٹھانے کا کبھی قصد نہ کریں ورنہ انہیں بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اخلاقی قانونی جرم کے مرتکب ہوں گے۔

پبلشر

۳۱۹۱

مصورِ غم علیہ الرحمۃ

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) شاہجہان آباد کے اُس مقتدر اور ممتاز خاندان کے فرزند رشید تھے جسے خاندان شاہان مغلیہ کے اُستاد ہونے کا نسلاً بعد نسلاً فخر حاصل رہا جس نے مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور ہندوستان کے مشہور سحر البیان مولوی عبد الرب مغفور بانی جامع مسجد سہارنپور جیسے جید علما اور قرآن و حدیث کے نامور ماہرین پیدا کئے۔ یہ اُجڑے دیار کا وہ نامور خاندان تھا جس کی بیٹیاں حافظہ، حاجیہ، قاریہ ام عطیۃ النساء مرحومہ (چھوٹی اُستانی جی) اور حاجیہ ام ذکیہ مرحومہ جیسی مشہور عالمہ فاضلہ خواتین اور جس کے داماد شمس العلماء مولوی نذیر حسین مرحوم "محدث دہلی" اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم جیسے بزرگ تھے۔ حضرت علامہ مغفور بمقام دہلی جنوری ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے" اور ابھی نو دس برس ہی کے تھے کہ ان کے والد ماجد مولوی حافظ عبد الواجد صاحب نے حیدر آباد دکن میں جہاں وہ محکمہ بندوبست میں افسر اعلیٰ تھے انتقال فرمایا۔ اور حضرت علامہ مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے دادا اور چچا حضرت مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور خان بہادر مولوی عبد الحامد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی نگرانی میں ہونے لگی یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم کو مسلمان کفر سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ مغفور نے اردو فارسی عربی وغیرہ گھر پر پڑی۔ پھر انگریزی تعلیم دہلی کے عربک اسکول میں ہوئی۔ مگر انھوں نے اپنے شوق سے اسے بہت کچھ ترقی دی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم (جو علامہ مرحوم کے حقیقی پھوپا تھے) اور مولانا حالی مرحوم کی شاگردی نے علامہ مغفور کی قابلیت کی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ ابھی حضرت علامہ انٹرنس ہی میں تھے کہ ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی عبد الرحیم صاحب بانی جامع مسجد جھجر کی اکلوتی صاحبزادی سے جنوری ۱۸۹۰ء میں شادی ہوئی۔ اور ۱۸۹۱ء میں محکمہ بندوبست کے انگریزی دفتر میں ملازمت شروع کی۔ مگر ملازمت کی پابندی حضرت علامہ کی طبیعت کے خلاف تھی اور دفتر کے خشک کاموں میں جی نہ لگتا۔ پھر علامہ مرحوم کی والدہ مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کی جُدائی زیادہ روز کے لئے گوارہ نہ کر سکتی تھیں۔ ان وجوہ سے جم کر ایک

جگہ نوکری نہ کی۔ اور ترقی کے نہایت معقول مواقع میسر آنے پر ان کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی، اور اناؤ، کچہری، میرٹھ، علیگڈھ، دہرہ دون کی تبدیلی رہی آخر دلی کے پوسٹل آڈٹ آفس میں تبدیل ہوئے مگر چند سال گذرے تھے کہ ۱۹۱۲ء میں اٹھارہ انیس سال کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف "حیات صالحہ" یا صالحات" ہے جو ۱۸۹۵ء میں لکھی گئی ۱۸۹۸ء میں دوسری تصنیف "منازل السائرہ" ختم کی ان دونوں اصلاحی ناولوں کی اشاعت کے بعد حضرت علامہ مغفور کا شہرہ ایک مقبول پایہ مصنف کی حیثیت سے بلند ہونا شروع ہوا ۱۹۰۳ء سے رسالہ "مخزن" میں افسانے اور مضامین شائع ہونے لگے پھر "صبح زندگی" شائع ہوئی اور دلی کے باکمال ادیب کی طرز تحریر کی دلآویزی، زبان کی شیرینی، اور واقعات کے پیرایہ میں بیان کی درد انگیزی کی دھوم مچنے لگی ۱۹۰۸ء میں رسالہ "عصمت" جاری ہوا جو ۲۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اور ہندوستان کا بہترین زنانہ پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے ۱۹۱۱ء میں حقوق نسواں کی حمایت میں رسالہ "تمدن" جاری کیا جو پانچ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا ۱۹۱۵ء میں اخبار سہیلی جاری فرمایا مگر ۱۹۱۶ء میں دفتر عصمت میں قیامت کی آگ لگی اور "سہیلی" جاری نہ رہ سکا ۱۹۱۷ء میں "شام زندگی" شائع ہوئی۔ اور اسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پہلے ہی سال میں تین مرتبہ چھپی اور کتاب نے قوم سے حضرت علامہ مغفور کو مصور غم کا خطاب دلوایا اب اردو کے بے مثل مصنف نے تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور دو درجن کے قریب ضخیم کتابیں ۱۷ء سے ۲۳ء تک کے زمانہ میں لکھ ڈالیں، جو مختلف حضرات نے شائع کیں۔ اور بقول مولانا تاجور لاکھوں روپیہ پیدا کیا۔ حضرت مصور غم نے اپنی تصانیف کی جو مقبولیت دیکھی شاید اردو کے کسی مصنف کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دو نہیں درجنوں کتابیں آٹھ آٹھ دس دس سال کے عرصہ میں دس دس بارہ بارہ دفعہ چھپیں۔ بلکہ "صبح زندگی" "شام زندگی" وغیرہ کے پندرہ پندرہ بیس بیس ایڈیشن شائع ہوئے آخر دو کتابیں "آمنہ کا لال" "سیدہ کا لال" بھی چار سال میں ہزارہا کی تعداد میں پانچ چھ دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔

۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اردو کورس علامہ مغفور سے صحیح کرائے ۱۹۲۰ء میں نیشنل یونیورسٹی نے سب سے پہلا اردو ممتحن مقرر کیا ۱۹۲۷ء میں حکومت بہار و اڑیسہ نے شمالی ہند سے

بحیثیت ماہر اردو کے اردو ہندی کی ترقی کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم سے بیش بہا مشورے لئے۔
۱۹۲۲ء میں مسلمان بچیوں کے لئے تربیت گاہ "بنات" قائم کی جس سے ہندوستان کے مختلف حصوں کی سینکڑوں خوشحال اور یتیم و نادار بچیوں نے بحیثیت بورڈر تعلیم و تربیت حاصل کی اور جس سے ہزاروں غریب کم استطاعت بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہوئیں اس مدرسہ کے لئے بیگم صاحبہ محترمہ کے ساتھ علامہ مغفور باوجود پیرانہ سالی کے ہندوستان کے کسی صوبہ کا سال میں مہینہ سوا مہینہ کا دورہ فرماتے تھے۔ مدرسے کے کاموں میں محترمہ بیگم راشد الخیری صاحبہ حضرت علامہ مرحوم کی برابر کی شریک رہیں ۱۹۲۷ء میں مسلمان بچیوں کے لئے رسالہ "بنات" جاری فرمایا ۱۹۳۴ء میں علامہ مغفور کی مرحومہ بہو محترمہ خاتون اکرم کی یادگار میں زنانہ دستکاری کا رسالہ جوہر نسواں جاری ہوا حضرت علامہ راشد الخیری کی (خدا انہیں غریق رحمت فرماتے) خودداری تھی آدمیوں با اثر با رسوخ لوگوں سے ملنے جلنے کو کبھی درست نہ سمجھتی تھی۔ نام و نمود شہرت خودستائی جلسوں اور بے نتیجہ تقریروں سے سخت نفرت تھی کسی جلسہ یا کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے حضرت مصور غم نے خاموشی سے مسلسل چالیس سال تک تصانیف اور رسالوں کے ذریعہ خواتین ہند اور ادب اردو کی جو زبردست شاندار خدمات انجام دیں وہ اس قدر گراں بہا اور عظیم الشان ہیں کہ مشہور ادیبوں اور رہنمایان قوم کا فیصلہ ہے کہ انکی نظیر نہیں نکل سکتی۔ اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کیلئے حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی کوششیں کبھی فراموش نہ ہوسکیں گی۔ مصور غم ہی کی تحریروں سے عورتوں کی مظلومیت پر مردوں کے دل پسیجے۔ مصور غم ہی کے لٹریچر سے عورتوں کو بھی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا ہوگیا۔ اور گذشتہ نہائی صدی میں خواتین ہند میں جو تھوڑی بہت بیداری پیدا ہوئی ہے متفقہ طور پر اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اس میں بہت بڑا حصہ جنت نصیب حضرت علامہ راشد الخیری کی ان تھک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ مشرق کے بے مثل جدت نگار مصنف ہی نہ تھے مزاحیہ مضامین لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ناولسٹ بھی تھے، جرنلسٹ بھی، اردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار تھے اور مورخ بھی شاعر بھی تھے اور انشاء پرداز بھی مگر ہر حیثیت میں مصلح اور نسوانی جذبات کے ترجمان۔ انکی تحریر کی طرح انکی تقریروں اور لکچروں میں بھی خدا نے کچھ ایسا اثر اور آواز میں کچھ ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ مجمع زار و قطار آنسو بہاتا تھا حضرت علامہ مغفور میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا زمانہ شباب میں علاوہ مذہب کے فارسی شاعروں اور انگریزی مصنفین کا بھی مطالعہ فرمایا تھا، حافظہ حیرت انگیز تھا، موسیقی سے بہت دلچسپی تھی، انگریزی اور ہندوستانی بہت سے کھیل جانتے تھے۔ بدن کسرتی تھا، جسم دوہرا قد لمبا،

چہرہ پر دلالت اور نور برستا تھا۔ خانگی زندگی انتہائی کامیاب اور دیکھنے والوں کے لئے ہر حیثیت سے قابلِ رشک تھی، بے نظیر بیٹے، لاجواب بھائی، سعادتمند داماد، بے مثل شوہر، عاشق زار باپ اور بہترین دوست ہمیشہ شاداں و خنداں رہتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور زندہ دلی ان کے ملنے والے بھلاتے سے بھی نہیں بھول سکتے۔ جن کی قابلیت کا چار کھونٹ ڈنکا بج رہا تھا جن کی شہرت اِس دور کے بڑے بڑے مصنفوں اور رہنماؤں کے لئے باعث رشک تھی، جن کا نام عزت کے ساتھ جن کا ذکر محبت کے ساتھ کیا جاتا تھا، ان کی شرافت اور اخلاق سادگی اور وضعداری مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتی تھی۔ ان کی عاجزی اور انکساری کا یہی ثبوت کچھ معمولی نہیں کہ ۴۰ کے قریب کتابیں زندگی میں شائع ہو گئیں۔ لیکن کسی کتاب میں تصویر شائع نہ کرنے دی۔ کسی کتاب کو کسی کے نام منسوب نہ کیا۔ کسی کتاب میں کسی کی تقریظ نہ سمجھی۔ تین چار کتابوں میں دیباچے بھی مجبوراً لکھے۔ ورنہ سوائے ٹائیٹل پر نام آنے کے اپنا نام تک اپنی کتاب میں دوبارہ آنا پسند نہ فرمایا۔ صبر و شکر توکل و قناعت ہمیشہ شیوہ رہا۔ اپنی حالت میں بے انتہا خوش رہے۔ رحمدلی مخلصانہ عملی ہمدردی غیروں کی آگ میں کود پڑنا۔ دوسروں کے لئے سب کچھ لٹا دینا۔ المختصر خدمت خلق اللہ حاصل عمر تھا۔ ۶۰ سال کی عمر تھی اور بظاہر صحت نہایت اچھی کہ دو ماہ بیمار رہ کر ۳ فروری کی منحوس صبح کو اجڑے دیار کے آخری باکمال مصنف کا سایہ قوم بدبخت کے سر سے اُٹھ گیا۔ مصور غم کی رحلت پر ہندوستان بھر کے پڑھے لکھے گھرانے میں کہرام مچ گیا۔ جگہ جگہ زنانہ اور مردانہ ماتمی جلسے ہوئے اور ہندوستان کے باہر ادب اردو کا ذوق رکھنے والا ہر شخص دم بخود ہو گیا۔ جس قدر رنج و غم میں ڈوبے ہوئے مضامین جتنے مرثئے نوحے قطعات تاریخ المختصر جس قدر بلند پایہ ماتمی لٹریچر مصور غم کے انتقال پر شائع ہو گیا وہ اتنا زبردست ہے کہ بقول ایڈیٹر "ملت" کسی ادیب یا رہنما کی وفات پر اس وقت تک شائع نہ ہو سکا۔ آسمان کتنی ہی کروٹیں بدلے" زمین کتنے ہی چکر کاٹے۔ ہندوستان بدلے، ہندوستان والے بدلیں، معاشرت بدلے، ادب بدلے، لیکن مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ اور ان کا نام آنیوالی نسلیں فخر کے ساتھ لیتی رہیں گی۔ خدا کی بیشمار رحمتوں کے پھول اس مزار مبارک پر برستے رہیں جس میں وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں اور خدا جنت نعیم میں اس پاک روح کو ابدی سکون عطا فرمائے جسکی دائمی مفارقت ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی ہے۔

سازق الخیری

۲۲ جولائی ۳۶ء

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف

آمنہ کالال	عہ	گلدستۂ عید	۸ر	سراب مغرب	۸ر
سیدہ کالال	عہ ۱۲ر	گرفتار قفس	۴ر	درِ شہوار	۸ر
الزہرا	۱۲ر	روداد قفس	۱۰ر	سات روحوں کے اعمالنامے	۸ر
عروس کربلا	عہ ۴ر	انگوٹھی کا راز	۶ر	قرآنی قصے	عہ
وداع خاتون	۵ر	تفسیر عصمت	۵ر	عروس مشرق	۱۰ر
شام زندگی	عہ	منظر طرابلس	۵ر	بزم رفتگان (باتصویر)	۱۰ر
صبح زندگی	عہ ۸ر	منازل ترقی	۴ر	گدڑی میں لال	عہ ۴ر
نوحہ زندگی	۱۲ر	سیلاب اشک (باتصویر)	عہ ۴ر	نالۂ زار	۱۲ر
شب زندگی دو حصے	عام	جوہر عصمت	عہ ۸ر	بے فکری کا آخری دن	۴ر
محبوبۂ خداوند	۱۲ر	نانی عشو	۱۰ر	سیاحت ہند	عہ
نسوانی زندگی	۸ر	طوفان اشک	عہ ۴ر	گرداب حیات	عہ
طوفان حیات	عہ	سودائے نقد	۵ر	دادا لال بجھکڑ	۸ر
حیات صالحہ	عہ ۸ر	ولائتی تنخی	۶ر	احکام نسواں	عہ
تمغۂ شیطانی	۱۲ر	بنت الوقت	۸ر	محسن حقیقی	۶ر
جوہر قدامت	عہ ۸ر	منازل السائرہ دو حصے	عام	مسلی ہوئی پتیاں	۶ر
یاسمین شام	عہ ۴ر	بچہ کا کرتہ	۴ر	داستان پارینہ (باتصویر)	۱۲ر
موءودہ	۸ر	ابن کا دم واپسین	۴ر	دعائیں	۸ر
غدر کی ماری شہزادیاں	۱۲ر	شہنشاہ کا فیصلہ	۴ر	چمنستان مغرب	عہ
ستونتی	۷ر	ویڈیا کی سرگذشت	۴ر	بلبل بیمار	۱۰ر
قلب حزیں	۸ر	فسانہ سعید	۸ر	یادگار تمدن	۶ر
وداع ظفر (باتصویر)	عہ ۸ر	چہار عالم	۴ر	دلی کی آخری بہار	عہ
نتیج کمال	عہ	شہید مغرب	عہ	حور اور انسان	۱۲ر
بساط حیات	۸ر	محصول ڈاک بذمہ خریدار		نشیب و فراز	۴ر

حضرت علامہ مغفور کی یہ کتابیں نیز خواتین کے مطلب کی بہترین اردو کتب دفتر عصمت دہلی سے شائع ہوتی ہیں۔